Digitized by Khilafat Library Rabwah

لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمّد رّسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحقّ لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٖ

عسٰی ان یّبعثک ربّک مقاماً محمودًا

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز
اُردو رسالہ

ایڈیٹر:- قاضی محمّد ظہور الدّین اکمل

چندہ سالانہ ہندوستان میں تین روپے ۔ ہندوستان سے باہر ساڑھے تین روپے

مستورات و طلباء علم سے صرف اڑھائی روپیہ

نمبر ۱۰ | اکتوبر ۱۹۲۷ء ۶ ؁ ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۶ ؁ھ | جلد ۲۶

فہرست مضامین

اسلام و یوروپین فلاسفی ۔ ۳۶۱ – ۳۶۶ ۔ ڈاکٹر محمّد رمضان صاحب

الہام یا اکاش بانی ۔ ۳۶۷ – ۳۷۴ ۔ مولانا غلام احمد صاحب مجاہد بدوملہوی

فصل البیان فی جمع القرآن ۔ ۳۷۵ – ۳۷۹ ۔ مولانا مطیع الرحمٰن صاحب ایم اے

پیدائش عالم پر آریہ سوالات کے جواب ۔ ۳۷۹ – ۳۸۲ ۔ مولانا احمد الدین صاحب شملوی

اسوۂ سیّد الانام بجواب محمّد صاحب نذیر ہٗ اسلام ۔ ۳۸۲ – ۳۹۰ ۔ مولانا محمّد یعقوب صاحب

قوّۃ باصرہ سے قوّۃ سامعہ افضل ہے ۔ ۳۹۰ – ۳۹۵ ۔ مولانا محمّد عبد اللہ صاحب فاضل مالاباری

مسلمان کیونکر ترقی کر سکتے ہیں ۔ ۳۹۶ – ۳۹۷ ۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہٖ

شذرات (عیسائیت) ۔ ۳۹۸ – ۴۰۰ ۔ مولانا ابو العطاء اللہ دتّا صاحب فاضل جالندھری

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھپوا کر قادیان سے شائع کیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہماری دوا سل حقیقی کیلئے الٰہی ہے جسکی مختصر تعریف یہ ہے کہ پھیپھڑہ سے خواہ کسی جگہ سے زخم ہو کر دل خون بھر آوے تو دیکھ لے

مرض سل کا علاج

ناظرین کو تعجب ہوگا۔ کہ جس مہلک مرض کو عمر بھر لا دوا سمجھا۔ اور یونانی و ڈاکٹری تمام اطباء سے مایوس العلاج سُنا اُسکے علاج کے کیا معنی؟ مگر حق تعالیٰ کا فضل کسی زمانہ اور کسی شخص کیلئے مخصوص نہیں۔ الحمد للہ کہ لاکھوں بیش قیمت جانوں کے تلف کرنیوالے مرض سل کا تیر بہدف تریاق ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ اور تجربہ میں بھی آگیا۔ اگرچہ اعلان کرتے ہوئے طبیعت ہماری بھی جھجکی اور خیال ہوا کہ سالہا سال کی دلوں میں بیٹھی ہوئی نا امیدی کے مقابلہ پر ہماری اس قول کی کیا وقعت ہوگی کہ ہماری ایجاد کردہ "ایک تولہ شفاء السل ہماری ہدایات کے موافق استعمال کرنے سے مسلول کو باذن اللہ صحت حاصل ہو جائیگی" مگر خدا کی دی ہوئی بے بہا نعمت کو چھپا کر رکھنا شرافت اور مروّت انسانی کے خلاف تھا۔ اس لئے بنظر مزید احتیاط ہم نے خاص اطباء پر بغرض تجربہ و امتحان یہ دوا مفت تقسیم کی اور منصفانہ رائے طلب کی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ خاطر خواہ کامیابی اور نتیجہ خیز آراء سے ہماری حوصلہ افزائی کی گئی۔ چنانچہ اسوقت ہم صرف شاہی طبیب جناب حکیم نور الدین صاحب امیر احمدی جماعت کی قلمی دستاویز (جو طبی حیثیت سے ہندوستان میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً ایک بیش قیمت اور نہایت وزنی رائے ہے) ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ مرض سل کے لا دوا ہونے کا اعتقاد انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد لوگوں کے دلوں سے جاتا رہیگا۔ اور ہماری سریع التاثیر دوا جس کو ہم اکسیر کا خطاب دیں تو بیجا نہیں آہستہ آہستہ تمام ملک کے اطباء کو اپنا مدّاح و گرویدہ بنالے گی۔ قیمت فی تولہ چار روپے (للعہ)

علاوہ سل کے تمام اندرونی زخموں میں باذن اللہ فوری اثر دکھلاتا ہے۔

رئیس الاطباء جناب حکیم نور الدین صاحب رئیس بھیرہ ضلع شاہپور کا ارشاد

السّلام علیکم۔ آپکی دوائی جو سل کیلئے آپنے مجھے دو ۲ بار تجربہ کے لئے بھیجی اس کو میں نے بہت ہی احتیاط کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ بے ریب یہ دوائی ایسے مسلولوں کو جن کو نزلہ کی شکایت نہ ہو بہت ہی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں اور بھی برکت بخشے۔ جو لوگ اس موذی مرض سے آپکی مفید دوائی سے نفع اُٹھائیں۔

نور الدین - ۲۳ - دسمبر ۱۹۰۶ء قادیان

نوٹ :۔ گلقند عسلی (شہد کا گلقند) اور روغن بادام دونوں چیزیں مریض سل کیلئے ضروری ہیں۔ اور یہ دونوں اصلی اور قابل اطمینان ہر جگہ نہیں مل سکتیں۔ لہٰذا بغرض نفع مریضان سل ہم مطلع کرتا ہوں کہ یہ دونوں چیزیں عطار کے ہاں ہر وقت نہایت معتبر موجود رہتی ہیں۔ جو فرمائش پر روانہ ہو سکتی قیمت گلقند عسلی فی سیر [illegible]

المشتہر

حافظ محمد یعقوب گنگوہ۔ ضلع سہارنپور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِسلام اور یوروپین فلاسفی

اللہ اللہ! وہ یورپ جو ایک وقت اسلام کو بربریت اور ظلم و تشدد کا مخرج و منبع کہتا تھا اور اسکے نام سے بھی کراہت محسوس کرتا تھا آج ببانگ دہل کہہ رہا ہے کہ اگر کوئی صلح و آشتی کا حامل ہے اور اگر نجات حاصل ہو سکتی ہے تو اسلام میں۔ میرے ماں باپ فدا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ و السلام پر جنہوں نے اس خیالات کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکا اور اسلام کے پاک چہرہ سے گرد و غبار دُور کر کے اسکو اصلی شکل میں پیش کیا۔ ندیوں اور دریاؤں کا بہتا ہوا سیلاب روکا جا سکتا ہے۔ غنیم کی بڑھتی ہوئی فوج روکی جا سکتی ہے۔ اگر نہیں روکی جا سکتی تو ایک قوم کے خیالات کی رَو۔ پھر وہ رَو جس نے کوئی شہر۔ کوئی گاؤں۔ کوئی گھر اور کوئی فرد اپنے اثر سے نہیں چھوڑا۔ ایسے حالات میں اسکی روک تھام ایک زبردست بالا ہستی کی دلیل اور اسکے فرستادہ کی صداقت اور اعجاز نمائی نہیں تو اور کیا؟

سائنس اور مذہب متضاد ہیں۔ یہ اہل مغرب کا ایک مقولہ تھا۔ لیکن آج وہی سائنس (بشرطیکہ وہ صحیح اصولوں پر مبنی ہو) پکار پکار کر اسلام کی تائید کر رہی ہے۔ جبکا شروع سے یہ دعویٰ ہے کہ سائنس اور مذہب میں ہرگز تضاد نہیں۔ کیونکہ پہلا خدا کا کلام ہے تو دوسرا اسکا فعل۔ یہ راز تھا جسکی اسلام نے دنیا کو دعوت دی تھی۔ لیکن بہتوں نے اسکو اپنی کم فہمی سے نہ سمجھا اور قبول نہ کیا۔ الحمد للہ کہ آج وہ اس حقیقت کی طرف آ رہے ہیں۔ جو آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج

موجودہ زمانہ میں صدہا علوم ایسے ظاہر ہو رہے ہیں اور ہزارہا تحقیقاتیں ایسی کی جا رہی ہیں جو اسلام کی مؤید ہیں۔ اسلام کی شناخت کے ساتھ اُن فلاسفروں کے چہرہ سے بھی نقاب اُٹھ رہا ہے جنہوں نے اپنے تخیلات کی پرواز میں صحیح راستہ کو اختیار کیا۔ لیکن بدقسمتی سے بہت حد تک وہ پردہ اخفاء میں ہی ہے۔ اس کی تائید میں ذیل کا مضمون ہے جو کہ مندرجہ بالا خیالات کا آئینہ دار ہے اور جسکو میں نے اسلامک ریویو میں ڈاکٹر ایچ۔ مارقوس (برلن) کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صدیقین کو۔ شہداء کو۔ غوث۔ اقطاب و ابدال و دیگر صلحاء اُمّت کو ہوتے ہیں۔ گویا الہام خاص مذہب کی بُنیاد ہے۔ اور الہام عام اس مذہب کی زندگی اور سچائی کا ثبوت ہوتا ہے۔ پس الہامی کتاب اور چیز ہے اور الہام اور چیز ہے۔ ہر الہام کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ کہ وہ بجائے خود ایک شریعت بن جاوے۔ بلکہ الہامی کتاب ان قواعد و احکامات کے مجموعے کا نام ہے جو محض انسانوں کی روحانی ترقی اور ماننے والوں کیلئے خدا تعالیٰ تک پہنچانے کا واحد شاہراہ عمل ہوتے ہیں۔ اور ان الہامات کو خدا تعالیٰ تمام انسانوں کے لئے مدارج روحانیہ حاصل کرنے کیلئے نازل فرماتا ہے۔ مگر الہام عام اور چیز ہے الہام خاص کی موجودگی میں بھی ماننے والوں کو الہام ہوتا ہے۔ بلکہ الہام عام ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ الہام عام کے کئی مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک مقصد یہ بھی ہے۔ کہ ملہم من اللہ کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ کہ وہ صحیح راستے پر جا رہا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے بشارت ہوتی ہے۔ جس سے اُسے خدا تعالیٰ کے قُرب کا یقین ہوتا ہے اور اسکی راہ میں ہر مصیبت کو راحت خیال کرتا ہوا بڑے شوق سے برداشت کرتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ انّ الّذین قالوا ربّنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزّل علیھم الملائکۃ ألّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ الّتی کنتم توعدون۔ یعنی وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی توحید کے قائل ہوتے ہیں اور اسکے احکام پر چلتے ہیں اسی محبوب حقیقی کا چہرہ تلاش کرتے ہیں اُن پر حسب مراتب و استعداد فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ جو انکو مختلف غموں سے تسلّی دیتے ہیں اور آیندہ انعامات کا وعدہ دیتے ہوئے خدا تعالیٰ کے قرب اور اسکے وصل کی خوشخبری دیتے ہیں۔ گویا الہام عام اس مذہب کی سچّائی کا زندہ ثبوت ہوتا ہے۔ اسلئے جو مذہب الہام کا مُنکر ہے یعنی اسکے نزدیک دفعہ الہام ہوا۔ پھر نہیں ہوگا۔ یا پہلے ہوتا رہا۔ مگر اب بند ہوگیا وہ مذہب حقیقی طور پر مذہب صحیح کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ نہ تو اس مذہب نے خدائی صفات کو سمجھا اور نہ ہی انسانی روح کی تڑپ کا خیال کیا۔ کیونکہ اُس مذہب کا آیندہ کیلئے الہام الٰہی کا دروازہ بند قرار دینا گویا فطرت انسانی کو مسخ کر دینے کا مترادف ہے۔ اور انسانی طبائع کے فطرتی تقاضوں کے خلاف جو مذہب تعلیم دیتا ہے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ہم اپنی فطرت پر غور کرتے ہیں۔ تو اپنی رُوح میں تڑپ محسوس کرتے ہیں۔ کہ اپنے محبوب کی دلآویز کلام سے بہرہ ور ہوں۔ دنیاوی نظام میں اس امر کی شہادت موجود ہے۔ جب ہم کبھی کسی انسان کی طرف کسی وجہ سے مائل ہوتے ہیں۔ خواہ وہ میلان خوبصورتی کی وجہ سے ہو یا کسی ڈر سے ہو۔ بہر حال ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہم سے وہ کلام کرے تا اطمینان ہو تسلّی ہو۔

پس جب ایک دنیاوی عاشق بھی اپنے محبوب کی شیریں کلام سے زندگی محسوس کرتا ہے۔ اور خوشی مناتا ہے۔ بلکہ وہ عاشق ایک حد تک اپنے محبوب کی کلام کو اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتا ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

توکیا وجہ ہے۔ کہ روحانی عشق کیلئے کسی کلام کی ضرورت نہ سمجھی جائے۔ حالانکہ انسان کی غرض پیدائش ہی یہ ہے۔ کہ انسان خدا کا عاشق بنے اسکی صفات کو اپنے اندر جذب کرے۔

پس آپ لوگ سمجھ لیں۔ کہ جہاں سچے مذہب کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اسکی کتاب میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ اور اسکی تعلیم سہل الحصول و اطمینان بخش ہو۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس مذہب کے ماننے والوں میں زندہ ثبوت موجود ہو۔ کہ واقعی وہ مذہب زندہ اور سچا مذہب ہے۔ اور خدا تعالیٰ تک اس دنیا میں ہی پہنچا دیتا ہے۔ اور پرانے قصوں اور گذشتہ کہانیوں پر اس کا مدار نہیں۔ بلکہ ہر ماننے والے کو دم نقد تازہ بتازہ پھل دیتا ہے۔ فرمایا۔ مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔ (ابراہیم) یعنی پاک اور سچے مذہب کی یہ نشانی ہے کہ وہ ایسے باثمر درخت کی طرح ہو جو ہر آن پھل دیوے۔

آپ لوگ غور کریں۔ کیا ہم اس شخص کو بہادر کہہ سکتے ہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ میرا دادا یا پردادا بڑا بہادر تھا۔ مگر خود بہادری نہ دکھائے۔ ہرگز نہیں۔ ہم اس شخص کو بہادر کہہ سکتے ہیں۔ جو تازہ ثبوت اپنی بہادری کا دے۔ پس سچا مذہب وہی ہے۔ جو تازہ ثبوت بہم پہنچا کر اپنی سچائی کا گرویدہ کرے۔

پس الہام خاص یعنی شرعی کتاب اور سچے مذہب کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اس مذہب میں الہام عام کا وجود بھی ہو جو اس مذہب کے پیروکاروں کو اپنی سچائی کا ثبوت دے۔ ہاں اتنا بتا دینا بھی ضروری ہے۔ کہ ایسا الہام خود صاحب الہام کی ذات کیلئے بھی تازہ ثبوت ہوگا۔ یا اسکے ذریعے غیر اہل مذہب کے لئے سچائی کا نشان ہوگا۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ ایسا الہام عام خود صاحب الہام کی روحانی قویٰ اور باطنی مدارج کی رو سے کئی قسم کا ہوگا جتنا جتنا ایک انسان کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہوگا اتنا اتنا ہی الہام عام اعلیٰ و ادنیٰ ہوگا۔

تیسرا مقصد الہام عام کا یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ الہام خاص کی تفہیم کیلئے ظاہر کیا جاتا ہے یعنی بعض وقت کسی حالت کے ماتحت یا کسی خاص ضرورت کے ماتحت خاص الہام کی تفہیم کیلئے بھی الہام عام ہوگا۔ یعنی خاص الہام چونکہ اپنے اندر ہزارہا معارف و حقائق کی شاخیں رکھتا ہے۔ اسلئے کسی خاص نکتہ معرفت پر اطلاع کیلئے الہام عام ہوگا۔ غرضیکہ الہام کی اقسام بھی کئی ہونگی۔ اور اسکے مراتب میں بھی بڑا فرق ہوگا۔ اور ان الہامات کے مقاصد بھی مختلف ہونگے۔ اسلئے یہ کہدینا بیجا نہ ہوگا کہ سوال ۲ کا جواب یہ ہے۔ کہ الہام خاص کی تبدیلی ہوتی ہے۔ مگر وہ تبدیلی صرف ضروری احکام میں ہوتی ہے اور ان لوگوں کے حالات ذاتیہ کے لحاظ سے ہوتی ہے جن کی خاطر الہام خاص کا نزول ہوتا ہے۔ مگر باوجود ان تبدیلیوں کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پھر ایک ایسا وقت آتا ہے۔ کہ الہام خاص ایسا کامل ہوتا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی وہ ایسا قانون اٹل اور آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ کہ اس سے رُوگردانی کرنا ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ انّ الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو بالاٰخرۃ من الخاسرین کہ مذہب اسلام چونکہ کامل مذہب ہے۔ اور یہ الہام غیر متبدّل اور آخری فیصلہ ہے۔ کہ اس سے علیٰحدہ ہونا ہلاکت کا باعث ہے اسلئے الہام خاص کی مثال محض ایک ایسے نسخہ کی ہوتی ہے۔ جو بیماری کے دفعیئے کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ الہام خاص کرنیوالا خدا ایک تجربہ کار ماہر طبیب ہوتا ہے۔ پس جیسے ایک ماہر طبیب کسی انسان بیمار کیلئے نسخہ تجویز کرتا ہے۔ پھر دوسرا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ مگر اسلئے نہیں کہ طبیب کے علم میں نقص ہے بلکہ مریض کی حالت مرض کی ترقی یا تنزّل کی وجہ سے نسخہ میں تبدیلی ہوتی ہے۔ مگر ایک وقت آتا ہے۔ کہ مریض کی استعداد جسمانی ایسی قابل ہوتی ہے۔ کہ ایک ہی نسخہ اسکے لئے کافی ہوتا ہے۔ جو اُسے کامل صحت بخشتا ہے۔ پس ایسے ہی خدا تعالیٰ نے انسانوں کی مختلف حالات کے ماتحت اُنکی استعدادوں کا خیال رکھتے ہوئے کئی نُسخے تجویز کیئے۔ جُوں جُوں تمدّن انسانی میں ترقی ہوتی گئی اور جُوں جُوں علوم کسبیہ میں زیادتی ہوتی رہی اور آپس کے تعلّقات وسیع ہوتے رہے ویسے حالات زمانہ کے مطابق الہام خاص یعنی الہامی کُتب بھی بدلتی رہیں۔ مگر صرف فروع کے لحاظ سے توحید۔ عبادت۔ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں طرز عبادت یا دیگر احکام جو اصول کیلئے ممد ہیں ان میں کچھ فرق آئیگا۔ وہ بھی حالات زمانہ کے مطابق۔ لیکن ان کے آخر پر ایسا نسخہ تجویز کیا گیا جو بیمار کی بیماریوں کے دُور کرنے کے علاوہ دیگر طاقتوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اَب اُسے بدلنے کی ضرورت نہیں۔ اس نسخہ سے روگردانی کرنا اس مریض کیلئے سراسر ہلاکت کا باعث ہے۔ ان الہامی کُتب کے تغیّر و تبدّل کی دوسری جسمانی مثال یُوں بیان کیجا سکتی ہے۔ کہ جیسے انسان پہلے بچّہ ہوتا ہے۔ تو اسکے قویٰ کے لحاظ سے غذا دیجاتی ہے اور اسکے ماپ کے مطابق کپڑا سِیا جاتا ہے۔ مگر جُوں جُوں وہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسکی غذا میں بھی فرق پڑتا ہے۔ اور اسکے قد و قامت کے لحاظ سے ماپ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے۔ کہ وہی بچّہ ایک جوان رعنا کی حالت میں آتا ہے۔ کہ اب اسکے بعد اُس کے لئے نہ غذا بدلنے کی ضرورت اور نہ ماپ میں کسی فرق و تبدیلی کی حاجت ہے۔ پس وہ خدا جو نظام جسمانی کا خالق و مالک اور منتظم ہے وہ قادر اور عالم تھا کہ پہلے ہی بڑی غذا یا بڑا ماپ کا کپڑا عطا کرتا۔ مگر یہ اسکے حکیمانہ افعال و اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ اس نے تدریجاً ترقی دی ہے۔ کیونکہ چھوٹے بچے کو توانا انسان کی غذا دینا یا بڑا لباس پہنانا عقل انسانی کے خلاف ہے چہ جائیکہ حکیم مطلق کے لئے یہ تجویز کیا جائے۔ کہ وہ چھوٹے بچے کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بڑے جوان کی غذا یا لباس دیگا۔ پس پہلی کتب کی مثال اس تدریجی غذا یا تدریجی ماپ کی ہے۔ یا اُن نسخہ جات کی سی ہے۔ جو مریض کو ابتداء میں دیئے جاتے ہیں۔

ان کتب کے بالمقابل قرآن کریم کی مثال اس غذا یا ماپ سے ہے جو بچہ جوان ہونے کی حالت میں تجویز کیا جاتا ہے۔ یا اس نسخہ کی مثال ہے۔ جو مریض کی حالت کے مطابق آخر میں دیا جاتا ہے جس سے وہ مریض زیادہ طاقت پکڑتا جاتا ہے۔ اور کمزوریوں کی تلافی کرتا رہتا ہے۔

مگر جیسے غذا کامل ہونے یا ماپ کامل ہونے کے بعد پھر بھی غذا پکانے والے اور لباس سینے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے اس الہام کو جو کامل غذا ہے دوسرے لوگوں کے مذاق کے مطابق مختلف رنگوں میں پکا کر پیش کرنیوالے آدمی آتے رہتے ہیں جن کو اولیاء۔ اقطاب۔ ابدال صدیقین شہداء۔ انبیاءؑ وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو الہام خاص کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی تجاویز کو خدا تعالیٰ سے طاقت پا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں اور الہام خاص کی تجدید کرتے رہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا الہام الہام عام ہوتا ہے۔ اور کئی مقاصد پر مشتمل ہوتا ہے ✦

مَیں اس جگہ سوال نمبر ۲ کے آخری جملے کا جواب بڑی وضاحت اور نہایت اطمینان قلب کے ساتھ دینا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے۔ کہ اس نے آج اس تاریک زمانے میں بھی نور کا آفتاب نکالا اور آجکل کی مادّی دُنیا کیلئے ایک روحانی ستون کھڑا کیا اس کو اعلیٰ اور مصفّٰی الہام سے ممتاز کیا۔ اور مذکورۃ الصدر لوگوں میں سے بڑھ کر درجہ عطا فرمایا۔ یعنی اس زمانے کا نبی بنا کر بھیجا وہ کون ہے؟ وہ وہی مسیح موعود و مہدی معہود ہے جسکی انتظار میں لوگوں کی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ کئی بزرگ لوگ اِس مبارک زمانے کو ترستے رہے۔ پس مَیں حاضرین کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس شہزادہ امن کے جھنڈے تلے آؤ۔ کہ وہی آج جنّت کا دربان ہے وہی خدا تعالیٰ کے حضور دربار میں پہنچانے والا ہے۔ وہی نبی کریم صلعم کی کامل معرفت بتانے والا اور حضورؐ کی شفاعت کا مستحق بنانے والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اس صاحب الہام شخص کے الہامات کی صداقت ہر فریق نے اپنے اپنے گھر دیکھ لی۔ آریہ صاحبان نے بھی اسکے الہامات کی صداقت اپنے سوامی دیانند کی موت میں دیکھ لی۔ اور اپنے پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی شدہ کے پورا ہونے میں دیکھ لی۔ فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم

سوال نمبر سوئم کے جواب میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ از روئے اسلام الہام عام کسی وقت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خاص جگہ کے لئے مخصوص نہیں۔ خدا تعالیٰ کی راہوں پر چلنا۔ اسکا عشق اپنے دل میں قائم کرنا ضروری ہے۔ پس اُسی سے دل لگاؤ۔ اسکے سچے رستوں کی تلاش کرو اور اُسی کے چہرے کو ڈھونڈو دروازے سے آؤ نقب زنی نہ کرو۔ دیوار پھاند کر نہ آؤ۔ خدا تعالیٰ نے جو دروازہ اپنے دربار میں آنیکا کھولا ہے۔ جو شاہراہ اس نے قائم کی ہے۔ اسی کو اختیار کرو۔ جو نور کی قندیل اس نے ظاہر کی ہے۔ اسکو ہاتھ میں لو۔ پھر اس محبوب ازلی کی کلام سن سکو گے اور اُسکا دیدار کر سکو گے خواہ افریقہ رہو خواہ امریکہ خواہ ایشیاء یا یورپ۔

مگر الہام خاص جو آخری نسخہ کی شان رکھتا ہے۔ یا کامل غذا اور مکمّل ماپ کا رنگ رکھتا ہے۔ جو سب لوگوں کیلئے یکساں مفید و سہل الحصول ہے اور تمام تعلیموں کا نچوڑ ہے بلکہ دیگر الہامی کتابوں سے زیادہ دعاوی و دلائل و نکات معرفت کا ماخذ ہے۔ وہ قرآن پر ختم ہے جو آچکا۔ وہ وقت گذر گیا جب کہ دنیا بچہ کی طرح تھی۔ اور ہر ملک میں علیٰحدہ علیٰحدہ انبیاءؑ مخصوص القوم آتے تھے۔ اور الہام خاص یا الہام عام پاتے تھے۔ مگر جب دنیا ایک جوان رعنا کی صورت میں ہو چکی تھی۔ یا مریض دنیا کی حالت ایسی ہو گئی تھی جب کہ ایک ہی نسخہ دیا جاتا۔ تو آج سے تیرہ سو ۱۳۰۰ سال قبل قرآن کریم کو اُتارا گیا اور بآواز بلند سُنایا گیا۔ کہ قل یاایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا اور تمام اُمّتوں کو اسی کی طرف توجہ دلائی گئی کہ قل اُوحی الیّ ھٰذا القراٰن لانذرکم بہٖ ومن بلغ اور صاف کہدیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا پس مَیں تمام غیر مسلم حضرات کو اس کامل مذہب کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ؁ خاکسار غلام احمد مولوی فاضل مجاہد بدوملہوی

شنکر اچاریہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مالابار کے ایک برہمن کا بیٹا تھا شنکر اچاریہ کی ماں شری مہادیوی کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ کسی شرم انگیز گناہ کے سبب برادری اور ذات سے خارج کردیگئی تھی اور اسی لئے مہادیوی کی وفات پر اسکے جلانے کیلئے شنکر اچاریہ کو کسی نے آگ بھی نہ دی شنکر اچاریہ کے دل پر اس واقعہ کا کہ اسکی ماں مہادیوی کے پھونکنے میں کسی نے آگ تک بھی نہ دی گوارا نہ کی۔ کسقدر قومی اثر ہوا ہوگا اسکا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے شنکر اچاریہ کا بُدھوں اور جینیوں کی بُت پرستی۔ کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ شنکر اچاریہ نے مالابار سے شمالی ہند کی طرف توجہ کی وہ نوجوانی کے عالم میں مالابار چھوڑ دیا کیونکہ وہاں اُسکے لئے میدان عمل بالکل تنگ تھا۔ اس نے بنارس میں پہنچکر پنڈتوں سے مباحثہ کیا اور بُت پرستی کے معاملہ میں انکو شکست فاش دی بیہودہ اور شرمناک رسم و رواج دھانیوں اور مشہور شہروں میں اپنی جدید اور مجرد عقیدہ کی تلقین کرتا ہوا پھرا۔ شنکر اچاریہ بالخصوص بُت پرستی کی تردید میں سب سے زبردست عالم دین تھے جو مسلمانوں سے سیکھے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بدھ مذہب اپنے عقائد اور حکومت طاقت کے اعتبار سے ابتر ہو چکا تھا لہٰذا چند راجے اسکے مرید ہو گئے اور بدھ مذہب کے خلاف علانیہ کامیاب تحریک شروع ہوئی۔ شنکر اچاریہ مالابار میں پیدا ہوا تھا اور کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر فوت ہوا۔ اسکو شیو کا اوتار مانا گیا اور آج وہ موجودہ آریہ سماج فرقہ کا قابل تکریم بزرگ سمجھا جاتا ہے۔ شنکر اچاریہ کے زمانہ میں اسلام برابر ہندوستان کے اندر ترقی کر رہا تھا۔ محمد بن قاسم کے حملہ کو دو سو سال گذر چکے تھے۔۔ محمود غزنوی کی حملہ آوری میں ابھی سو برس باقی تھے۔ سندھ میں مسلمانوں کی دو ریاستیں موجود تھیں۔ مالوہ میں مسلمان موجود تھے۔ کنارا۔ سراندیپ۔ میسور۔ مدراس و ساحل کارومنڈل میں مسلمان موجود تھے۔ (درویش دہلی)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فصل البیان فی جمع القرآن

(نمبر ۳)

ترتیبِ قرآن

یہ ثابت کرنیکے بعد کہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں قرآنِ پاک کو کثیر التعداد صحابہؓ نے حفظ کرکے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا تھا اور آنحضرتؐ کے حین حیات میں ہی ضبطِ تحریر میں آگیا تھا ہم اسجگہ اس بات کو ثابت کرینگے کہ قرآن مجید آیات اور سورتوں کی ترتیب خود آنحضرتؐ نے ہی دی تھی۔ وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم

خود قرآن کریم اس امر کا بیّن ثبوت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ ان علینا جمعہٗ وقرآنہٗ فاذ قرأناہ فاتبع قرآنہٗ۔ خدا نے اپنے ذمہ یہ کام لیا ہے کہ ہم قرآن کو جمع کرینگے اور تم کو (اے محمدؐ) پڑھائینگے تم ہمارے پڑھنے کی اتباع کرو۔ یہ بدیہی بات ہے کہ قرآن کریم کا جمع بغیر ترتیب نہیں ہو سکتا۔ جمع کرنیکے لئے ضروری ہے کہ ترتیب بھی ہو۔ دوم۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ہم تم کو قرآن پڑھائینگے تم ہمارے پڑھنے کی اتباع کرو۔ اس سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے قرآن پاک کی ترتیب دلوائی۔

علاوہ ازیں ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ کے عہد میں کثرت سے لوگوں نے قرآن شریف حفظ کرلیا تھا۔ ایک معمولی دانش کا آدمی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ قرآن جیسی کتاب بغیر ترتیب حفظ کرنا محال ہے حفظ کرنیکے لئے ضروری ہے کہ ترتیب بھی ہو۔ اگر آنحضرتؐ کے وقت میں حفاظ قرآن موجود تھے۔ تو ساتھ ہی اسکے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ترتیب بھی آنحضرت صلعم کے عہد میں دی گئی تھی۔

تلاوتِ قرآن کریم نماز کا جزو لاینفک ہے اور نماز اسلامی عبادتوں کا مجموعہ ہے کوئی مسلمان بقائمی ہوش وحواس کسی حالت میں نماز کو ترک نہیں کرسکتا۔ اور نماز میں بلا ترتیب تلاوتِ قرآن مجید ممکن ہی نہیں حدیث صحیح سے بھی ثابت ہے کہ نماز میں امام کے تلاوتِ قرآن میں کوئی غلطی ہوتی اور ترتیب میں کوئی آگا پیچھا ہوتا تھا تو فوراً مقتدی ٹوک دیتے تھے ابتدائے اسلام سے لیکر آجتک یہ دستور چلا آتا ہے پس ثابت ہوا قرآن کریم کی آیتوں و سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت دی تھی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ ایک ثابت شدہ متفق علیہ امر ہے کہ ایک ایک آیت کئی کئی بار نازل ہوتی تھی اور موجودہ قرآن کریم کی ترتیب ترتیب نزولی نہیں ہے اور جس طرح آیات نازل ہوتی تھیں اس طرح جمع کرنا اور ترتیب دینا ممکن بھی نہ تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأنٰہ فاتبع قرآنہ

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدا کی کتاب ہے اور اگر یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے اور یقیناً صحیح اور درست ہے تو یہ بھی درست ہے کہ اسکی ترتیب خدا تعالیٰ نے خود دی ہے۔ ایک معمولی مصنف کی کتاب کی کسی صفحہ کی ترتیب کو بدل دیا جائے یا بعض فقرات کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھدیا جائے تو وہ کتاب بالکل برباد ہوجاتی ہے اور کوئی مفہوم سمجھا نہیں جا سکتا۔ فقرات اور دلائل کی ترتیب بالکل زنجیر کی کڑی کی طرح مضبوط ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ خدا کی کتاب جو قیامت تک تمام ملکوں کے لوگوں کیلئے نازل کی گئی ہے اسکی ترتیب خود خدا تعالیٰ نے نہ دی ہو۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے آنحضرت سے قرآن کی ترتیب لوائی۔ بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارشاد باری قرآن کو ترتیب دیا آج بھی ہمارے ہاتھ میں وہی ترتیب شدہ قرآن موجود ہے ؛

اب احادیث اس امر کے ثبوت میں درج ذیل کی جاتی ہیں :۔

(۱) عن النعمان ابن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب کتاباً قبل ان یخلق السماوات والارض بالف عام انزل منہ آیتین ختم بھا سورۃ البقرۃ ولا تقرءٰن فی دار ثلاث لیالٍ ویقربھا الشیطان۔ (ترمذی ابوداؤد مشکوٰۃ فضائل قرآن)

(ترجمہ) نعمان ابن بشیر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی اس کتاب سے وہ دو آیتیں اُتاری ہیں جو سورہ بقرہ کے آخر پر ہیں اور جس گھر میں تین رات متواتر یہ دو نو آیتیں پڑھی جاویں اس گھر کے نزدیک شیطان کبھی نہیں جاتا۔

(۲) عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حفظ عشر آیاتٍ من اوّل سورۃ الکھف عصم من الدجّال (مسلم) ابی الدرداء سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورہ کہف کی اول دس آیات یاد کیں وہ دجّال سے محفوظ ہوگیا۔

(۳) عن معقل بن یسار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یصبح ثلاث مرۃ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم فقرأ ثلاث آیاتٍ من اٰخر سورۃ الحشر وکل اللہ بہ سبعین الف ملک یصلون علیہ حتّٰی یمشی وان مات

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فی ذٰلک الیوم مات شہیدًا۔ (ترجمہ) معقل ابن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص صبح کے وقت تین دفعہ اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم پڑھ کر سورہ حشر کی آخری تین آیات پڑھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ستر ہزار ملائکہ کے ذریعہ شام تک اس کی حفاظت کراتا ہے اگر اس دن وہ مرتا ہے تو شہید مرتا ہے۔

(۴) قال خطبنا عبد اللّٰہ ابن مسعود لقد اخذت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بضعًا وسبعین سورۃ۔ راوی کہتا ہے کہ ایک دن عبد اللہ ابن مسعود نے خطبہ میں کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سے کچھ اوپر سورتیں لیں (یعنی یاد کیں)

(۵) عن انسٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لکل شیءٍ قلبًا وقلب القراٰن یٰس۔ انس حضرت رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ہر ایک چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورہ یٰس ہے۔

(۶) عن جابرٍ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لا ینام حتّٰی یقرء الٓمٓ تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک۔ جابرؓ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سوتے تھے جب تک الٓمٓ تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے تھے۔

(۷) عن ابن مسعودٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قرءَ سورۃ الواقعۃ فی کل لیلۃٍ لم تصبہ فاقۃٌ ابدًا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو ہر رات سورہ واقعہ کی تلاوت کرتا ہے اسکو فاقہ کبھی نہیں آئیگا۔

(۸) عن علی قال سمعت رسول اللّٰہ صلعم یقول لکل شیءٍ عروسٌ وعروس القراٰن الرحمٰن۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے یہ کہتے سنا ہے کہ ہر چیز کی عروس ہوتی ہے اور قرآن کی عروس سورہ رحمٰن ہے۔

(۹) عن النعمان ابن بشیر قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرءُ فی العیدین وفی الجمعۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ وھل اتٰک حدیث الغاشیۃ۔ نعمان ابن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کو سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتٰک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

(۱۰) عن عائشہ رضؓ قالت ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی المغرب بسورۃ الاعرافِ فرقھا فی الرکعتین۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم مغرب کی نماز میں سورہ اعراف تلاوت فرماتے تھے اور رکعتوں میں تقسیم فرماتے تھے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۱۱) عن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللّٰہ صلعم یقرء فی المغرب بالمرسلات عرفاً۔ ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم مغرب کی نماز میں سورہ مرسلات تلاوت فرماتے تھے۔

(۱۲) عن حذیفہ انہٗ رَاٰء النبی صلعم یصلی من اللیل فصلی اربع رکعۃٍ قرء فیھن البقرۃ والعمران والنساء والمائدۃ والانعام۔ حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت نماز پڑھی جن میں سورہ بقرہ۔ آل عمران۔ نساء۔ مائدہ اور الانعام کی تلاوت کی۔

(۱۳) عن انسٍ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لابیّ ابن کعب ان اللّٰہ امرنی ان اقرء علیک لم یکن الذین کفروا قال اَسمّانی قال نعم فبکیٰ۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ میں تم کو سورہ لم یکن الذین کفروا پڑھکر سناؤں ابی نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے آپنے جواب دیا ہاں تو ابیؓ رو پڑے۔

(۱۴) عن ابی مسعود البدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاٰیتین عن اٰخر سورۃ البقرۃ من قرء ھما فی لیلۃ کفتاہُ۔ ابو مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ بقرہ کے آخر میں دو آیات ہیں۔ جس نے ان دونوں آیتوں کو پڑھ لیا وہ اسی کافی ہوگئیں۔

(۱۵) سمع النبی صلعم رجلاً یقراءُ فی المسجد فقال رحمہ اللّٰہ تعالیٰ اذکرنی کذا و کذا اٰیاتٍ اسقطھن من سورۃ کذا و کذا۔ بخاری میں ہے رسول خدا صلعم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ اور فرمایا اسکے پڑھنے سے مجھے قرآن کریم کی فلاں سورۃ کی فلاں فلاں آیات یاد آگئیں جن کو میں بھول گیا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث سے مستحکم طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات و سورتوں کی ترتیب خود ہی دی تھی۔ اور نام بھی خود ہی رکھے تھے۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے انہی احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ اس قسم کی کثرت سے اور بھی احادیث موجود ہیں۔ اہل بصیرت اور صاحب انصاف ادنیٰ تدبّر سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے خود سورتوں کے نام لئے اور یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلعم نے ہی خود ان کا نام خدا تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت رکھا۔ آجتک ہم ان سورتوں کے وہی نام اپنے قرآن مجید میں پاتے ہیں۔ دیگر سورتیں کیا ہیں؟ سورتیں مخصوص۔ منظم۔ مرتّب شدہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آیتوں کا مجموعہ ہیں مختلف مضامین کے لحاظ سے قرآن کریم کے علیحدہ علیحدہ حصے ہیں۔

سورتیں تو بنتی ہیں منظم اور مرتب شدہ آیات سے اور ہر سورۃ کا مضمون جدا ہے۔ تمام سورتیں اپنی ترتیب کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ منظم ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "فلاں سورۃ کی آخری دو آیات"۔ اگر آیتوں کی ترتیب دی ہوئی ہو۔ تو آخری آیات کیسی؟ آخری اور ابتدائی آیات کہنا ہی نہایت مضبوطی سے اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں قرآن مجید کو سورتوں اور آیتوں کے لحاظ سے مرتب کیا گیا تھا آج بھی ہم وہی آیات اس سورۃ کے آخر میں پاتے ہیں۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا۔

پیدائش عالم

(۴)

آرین سوالات کے اسلامی جوابات

(گذشتہ سے پیوستہ)

مخلوق کے وجود سے پہلے تعطّل صفات پر اعتراض

یہاں ایک سوال طبعاً پیدا ہوتا ہے کہ اگر اوپر کا جواب صحیح ہے تو پھر مخلوق کے وجود سے پہلے لا انتہا زمانہ تک خدا کی جملہ صفات معطّل رہیں جو ایک کامل ذات کی شان کے خلاف ہے۔ اور جب لا انتہاء زمانہ خدا کی ذات نے کوئی فعل نہیں کیا تو پھر کسی وقت وہ کام میں کیوں لگ گیا۔

جواب یہ تو ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق دونو ایک ہی وقت سے تو ہو ہی نہیں سکتے اور اگر کہو ہو سکتے ہیں تو جاؤ اس کی ایک ہی مثال لاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ جو خالق ہے وہ تو قدیم اور بے آغاز ہے تو کیا مخلوق بھی قدیم ہے غالباً ہر اہل عقل یہی کہیگا کہ مخلوق کا قدیم ہونا تو عقل کے خلاف ہے اور بات بھی سچّی ہے۔ کیونکہ جو شے قدیم ہے وہ ضرور غیر مخلوق ہے اور جو مخلوق ہے وہ ضرور اپنا آغاز رکھتی ہے۔ لہٰذا مخلوق اور خالق میں تقدم و تاخر زمانی کا پایا جانا ضروری ہے یعنی خالق مخلوق سے بہر حال پہلے ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ مخلوق کے وجود سے پہلے خالق کا معطّل ہونا اسکی شان کے خلاف ہے دوسرے لفظوں میں یہ مطالبہ ہے کہ خالق و مخلوق کو ہمعصر مان لیا جاوے حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ پس یہ کہنا کہ مخلوق سے پہلے خدا کی صفات کا معطّل ہونا اسکی شان کے خلاف ہے ایک ناسمجھی ہے کیونکہ مخلوق کے وجود سے پہلے صرف خدا تعالیٰ کی ذات کا ہونا اور اسکی صفت وحدت کا ہی جلوہ گر ہونا اور دوسری تمام صفات کا جلوہ گر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مضمون "اسلام اور یوروپین فلاسفی" سے ترجمہ کیا ہے۔ امید ہے قارئین کرام اسکے ملاحظہ سے لطف اندوز ہونگے۔

اسلام دنیا کے تمام الہامی مذہب سے آخری مذہب ہے۔ اور یہی ان سب سے زمانہ کے مطابق بھی ہے یعنی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی چیز ترقی کے نام سے بھی پائی جاتی ہے؟ اور اگر پائی جاتی ہے تو پھر وہ کہاں جلوہ گر ہوتی ہے؟ یہ سوال لاتعداد ہی طور پر معرض بحث میں آچکا ہے۔ ولیم ڈلتھلے جس نے غالباً سب سے زیادہ اسپر غور کیا ہے۔ آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ کہ کم از کم انسانی ذہانت اور علم کی ترقی ایک فیصلہ شدہ امر ہے۔ اس سے پہلے ہیگل نے دنیا کی ذہنی رفتار کی تاریخ پر ایک عمرانی نظر دوڑائی ہے۔ اس نے ترقی کا سب سے پہلے عمومی ہے۔ یعنی ذہنی۔ اور یہی عمومیت کی صفت ہے۔ جو اسلام کو ممتاز کرتی ہے۔ اسلام تمام مذاہب سے زیادہ عمومی ہے۔ کیونکہ یہ ہم سے کوئی ایسی چیز نہیں چاہتا جو جو انسانی ذہانت کے مطابق نہ ہو بلکہ صاف طور پر کہتا ہے کہ لامحالہ اس کی تمام تعلیم ذہانت سے ہی مشتق ہے۔ اسلام میں تاریخ ایک اہم حقیقت کو جگہ دیکر بذات خود پیچھے رہ جاتی ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے برخلاف اسلام کا یہ مقصد ہے کہ علم اور خیال کی ترقی کے پہلو بہ پہلو چلے۔ اب جب اسلام محض عقیدوں کی زیادہ پروا نہیں کرتا اور اپنے متبع کو ایک وسیع آزاد خیالی کی اجازت دیتا ہے۔ تو اسمیں یقین اور علم کے درمیان کوئی ایسا بھیانک نقاہر نہیں رہ جاتا جو آجکل یورپ کی دماغی زندگی کے انشقاق کا باعث ہو رہا ہے۔

موجودہ مطلع جس میں ہمارے فلسفیانہ تخیلات پرواز کرتے ہیں شعوری ہے اٹھارہویں صدی عیسوی تو خاصکر شعوری بلکہ شعاری تھی یہ سب سے پہلے اٹھارھویں صدی میں ہی تھا کہ ایک قدرتی مذہب کے لئے آواز اٹھائی گئی۔ ایسا قدرتی مذہب صرف اسلام ہی پیش کرتا ہے۔ ✤

اٹھارھویں صدی کا سب سے بڑا فلاسفر کینٹ ہو رہے۔ جسکی دو صد سالہ سالگرہ تھوڑا ہی عرصہ

✤ (۱) وہ مذہب جو خدا کا صحیح علم بتائے اور اسکی عبادت کی طرف اعلیٰ طریق سے رہنمائی کرے یقیناً اسلام ہے (قرآن مجید)

(۲) اسلام انسان کی فطرت کا جواب اور اسکی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اور خدا نے انسان کو اسلام کے نمونہ پر اور اسلام کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اس کی یہ منشاء ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی محبت۔ اطاعت اور عبادت کے لئے لگا دے۔ اس لئے خدا نے انسان کو ایسی طاقتیں عطا کی ہیں جو اسلام کے مطابق ہیں۔ (قرآن مجید)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نہ ہونا لازمی اور ضروری ہے اور ایسا ہونا ہی اس کی شان کے لائق ہے اور اس میں اسکی توحید ذاتی کا بیّن ثبوت ہے اور اسی کو نہ ماننے کا نتیجہ ہے کہ آریہ قوم توحید کی بجائے تثلیث کی قائل ہے - اور یہ کہنا کہ اسوقت جملہ صفات معطّل تھیں یہ بھی غلط ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت تو وحدت ذاتی ہے وہ تو معطّل نہ تھی اور پھر جبکہ یہ جملہ مخلوقات علم الٰہی میں موجود تھی - لہٰذا صفت علم بھی معطل نہ ہوئی - پھر خدا تعالیٰ قدوس بھی ہے صفت قدوسیّت بھی کبھی معطل نہیں ہوئی نہ ہوسکتی ہے - اسی طرح اسکی تمام صفات ذاتیہ ہر وقت بالفعل موجود رہتی ہیں - البتہ اسکی وہ صفات جو اضافی صفات ہیں جن کا خارج میں پایا جانا مخلوق کے وجود کے بعد ہے جیسے رازق ہونا یا رحیم ہونا یا توّاب ہونا - یہ تمام صفات قبل از وجود مخلوق ضرور بالفعل موجود نہیں ورنہ جس طرح خدا تعالیٰ ہونے والی مخلوق کا علیم ہے اسی طرح اس علمی مخلوق کا رازق بھی ہے اور اسکے لئے رحیم و توّاب بھی ہے - اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسکی کوئی صفت بھی کبھی معطّل اور بے کار نہیں ہوتی - اسلئے قرآن حکیم میں یہ بھی کہا ہے کہ :-

ھوالاوّل

کہ وہ خدا سب سے پہلے ہے اس سے پہلے کوئی نہیں اور یہ صفت سوائے خدا کے اور کسی کے لئے نہیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ :-

کل یوم ھو فی شان

یعنی ہر وقت وہ ذات کسی نہ کسی شان میں جلوہ گر ہے - وہ کبھی معطّل نہیں ہوتا -

یہ یاد رہے کہ اسلام تعطل میعادی کا ضرور قائل ہے جس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات متضاد ہیں سے جب ایک قسم کی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں تو دوسری قسم کی صفات اسوقت خارج میں بیکار ہوتی ہیں مثلاً جب صفت خلق کا دَور ہوتا ہے تو صفت افنا معطّل ہوتی ہے - اور یہ وہ حال ہے جسے آریہ قوم کی زبان میں استعارۃً برہم دن اور برہم رات کہا گیا ہے ✠ - اور ساتھ ہی کہدیا کہ برہم دن میں تو برہما جی کام کرتے ہیں اور برہم رات میں وہ سوتے ہیں - مگر اسلام چونکہ کامل مذہب ہے اسلئے اس ذات کی نسبت سونے کو استعارۃً بھی جائز نہیں رکھتا بلکہ فرماتا ہے کہ :-

لا تأخذہٗ سنۃ ولا نوم

یعنی اس ذات کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند -

✠ دیکھو منوسمرتی ادھیاء اوّل منتر ۷۲ جو حسب ذیل ہے :-

" وہ برہما اپنے دن میں کام کرتے ہیں اور رات میں سوتے ہیں "

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نئے آریہ سماجی اگر منوسمرتی کے بیان کو کسی مصلحت سے رد کردیں تو انکے لئے سوامی دیانند کا بیان موجود ہے جس میں وہ بحوالہ منوسمرتی صاف اقرار کرتے ہیں کہ ایک لمبا عرصہ جو اربوں برس کا ہے اسمیں اتپتی ہوتی ہے پھر اسی قدر عرصہ پرلے رہتی ہے اور پرلے میں تمام عناصر اپنی اصلی حالت میں ہوتے ہیں اور کوئی ترکیب نہیں ہوتی اور اس حالت کو وہ سامہ اوستھ کہتے ہیں۔ بعض چالاک سماجی یہاں کہدیا کرتے ہیں کہ پرلے میں بھی پرمیشور کام کرتا رہتا ہے جس طرح گھڑی ساز گھڑی کھولنے کے وقت کام میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ یا یُوں کہو کہ گھڑی کھولنے کے بعد اسپر غور کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن یہ جواب خود آریہ سماجی مہاشوں کی شکست کی دلیل ہے۔ کیونکہ پرلے کے وقت یہ سمجھنا کہ اربوں سال تک خدا اس کائنات کو توڑتا رہتا ہے جس طرح گھڑی ساز گھڑی کھولتا ہے محض ایک بناوٹی بات ہے اصل انکے مذہب کی رُو سے اصل بات یہ ہے کہ جب مہا پرلے کا وقت آتا ہے اسوقت تمام موجودات خداتعالیٰ کے امر سے کچھ عرصہ میں اپنی اصلی حالت یعنی عناصر کی حالت میں ہو کر پرکرتی بن جاتی ہے اور یہ حالت جسے سامیہ اوستھ کہتے ہیں اسی قدر عرصہ تک رہتی ہے جسقدر عرصہ یہ کائنات بنی ہوئی حالت میں رہتی ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑیگا کہ اس پرلے کے زمانہ میں وہ صفات الٰہیہ جو اتپتی یا پیدائیش کے متعلّق ہیں وہ عارضی طور پر معطّل رہتی ہیں اور ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے نہ اسکی ابتدا ہے نہ انتہا جسکے یہ معنی ہوئے کہ بے انتہاء زمانہ تعطّل کا ہے اور بے انتہاء زمانہ ہی خدا کے کام کرنیکا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ماننا پڑیگا کہ مسلمانوں پر بے انتہاء زمانہ تعطّل کا الزام فضول ہے جبکہ آریہ بھی خود اس تعطّل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس سے خدا کی ذات میں کسی نقص کے آنیکے قائل نہیں ہیں ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ اس بے انتہاء تعطّل کو ایک متواتر زمانہ نہیں مانتے بلکہ درمیان میں وقفے مانتے ہیں اور مسلمان ایک ہی دفعہ مخلوق سے پہلے صفت وحدت کا دَوْر مانتے ہیں۔

بعض آریہ کہدیا کرتے ہیں کہ سامیہ اوستھ میں پرماتما اس طرح کام کرتے ہیں جس طرح گھڑی ساز کھُلی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر غور کر رہا ہوتا ہے مگر یہ جواب تو خود آریہ سماج کے مُنہ بند کرنیکا ذریعہ ہے کیونکہ اگر مسلمان یہ کہدیں کہ مہاشہ جی مخلوق سے پہلے خداتعالیٰ خلقت کے متعلّق غور کر رہا تھا لہٰذا معطّل نہ ہو تو آریہ سماجی کو اس جواب کو بھی قبول ہی کرنا پڑیگا۔

اصل بات یہ ہے کہ مخلوق جس طرح علم اللہ میں ازل سے موجود ہے اسی ترتیب کے ساتھ وہ پیدا ہوئی اور ہوتی رہیگی اور اسپر کوئی صحیح اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ اور یہی جواب ہے اس اعتراض کا کہ خدا نے کسی خاص وقت سے مخلوق کو پیدا کرنا کیوں شروع کیا۔ غور کرو کہ علم الٰہی میں بھی مخلوق ضرور بالضرور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کی ذات کے بعد ہی پیدا ہونیوالی ہے کیونکہ مخلوق خالق کی ہم عمر تو ہو ہی نہیں سکتی۔ پس بالضرور مخلوق اس علم کے مطابق کسی خاص وقت میں ہی پیدا ہونی چاہیئے تھی۔ اور جس طرح مخلوق سے پہلے صفت علم معطل نہیں اسی طرح اسکی جملہ صفات معطل نہیں ہیں کیونکہ ماضی حال اور مستقبل خدا کے لیئے کچھ نہیں اسکے لئے تو ہمیشہ حال ہی حال ہے ؛

اسوۂ سیّدالانام

(بجواب)

محمد (صلعم) صاحب ازروئے اسلام

(گذشتہ سے پیوستہ)

دلیل دوم اور اُس کا ردّ ہمارے مکرّم پادری صاحب اپنی اِس دلیل میں حنفاء کی آڑ رکھتے ہوئے تمام اہلِ عرب کے متعلق یہ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ وہ تو بڑے نیک و پاک اور شریف و نجیب تھے۔ خدائے واحد کا علم رکھتے اور اُسکی عبادت و پرستش کیا کرتے تھے۔ مگر اب اگر کوئی اُن سے یہ جا پُوچھے کہ بھلا پادری صاحب اُن حُنفاء کی تعداد کسقدر تھی۔ جن کو دیکھتے ہوئے آپ نے سارے اہلِ عرب کے متعلق ایسا فیصلہ نافذ فرما دیا۔ تو جواب یہی ملیگا اور یہی صحیح اور درست جواب ہوگا کہ چار یا پانچ۔ اب کیا دنیا میں کوئی ایسا بھی عقلمند موجود ہے۔ جو ہمارے مصنّفِ رسالہ کی ہاں میں ہاں ملادے۔ اور یہ کہدے کہ یقیناً آنجناب نے سچ فرمایا۔ اور بلاشبہ درست نتیجہ نکالا۔ افسوس کہ دینِ اسلام کی مخالفت میں اِس امر کو بکلّی فراموش کر دیا گیا۔ کہ کہاں تک اُن کی باتیں عقولِ انسانیہ میں سما سکتی ہیں قطع نظر اِس بات کے کہ ایسا کہنا ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے متّبعین کے ذہنوں میں نہیں آسکتا اور قطع نظر اِس بات کے کہ اِس امر کی تائید میں کوئی ہندو یا سکھ۔ جینی یا بُت پرست زردشت مذہب رکھنے والا یا دہریّت اختیار کرنیوالا کبھی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مَیں کہونگا کہ خود عیسائیوں میں سے کوئی ایک ایسے اصحاب نکل کھڑے ہونگے۔ جو نہایت دلیری اور جرأت سے یہ کہہ سکینگے۔ کہ چار یا پانچ آدمیوں کے نیک اور پاک ہونے سے ہم تمام اہلِ عرب کے متعلق یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ سارے ہی نیک و پاک ہیں۔ اور سارے ہی خصائلِ حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ رکھنے والے ہیں۔ کیا زہر کا ایک پیالہ بھرا ہو۔ اور اُس میں ۵ تولہ مصری ملائی گئی ہو۔ اُسکے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ پینے کے قابل نہایت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عمدہ اور لذیذ۔ خوشبودار اور نفیس شربت ہے۔ لوگ تو کہا کرتے ہیں۔ کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو خراب کر دیتی ہے۔ پھر کس طرح جہاں ہر طرف ظلمت و تاریکی اپنی پُر شور موجیں مار رہی ہو۔ پھر کفر اور عصیان کا بازار گرم ہو رہا ہو۔ اور لوگ روحانیت کے لحاظ سے کالمیت ہو گئے ہوں۔ صرف دو یا چار نیکوکار لوگوں کی وجہ سے ہم سب کی بدیاں نظر انداز کر دیں۔ اور سب کی بُرائیاں ہم بُھلا ڈالیں۔ اور ساروں کو ہم اُن چار یا پانچ لوگوں کے احاطہ کے اندر محدود کر دیں۔ اور اُن کو نیک اور پاک۔ شریف اور نجیب کہدیں۔ مَیں سُنا کرتا تھا کہ باتوں کو بڑھا کر بیان کرنا اور یا اُن میں مبالغہ اور بلند پروازی سے بہت کام لینا شعراء اقوام سے ہی مختص ہے۔ مگر یہاں مَیں نثر کے متعلّق دیکھ رہا ہوں۔ کہ مکرّم پادری صاحب اُس شاعری کا مقولہ اِس جگہ پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھول بیٹھے ہیں کہ یہ اشعار نہیں۔ بلکہ نثر ہے۔ اور وہ خود شاعر نہیں بلکہ مضمون نگار ہیں میرا یہ مطلب نہیں کہ شاعری میں مبالغہ جائز اور از رُوئے عقل و نقل درست ہوتا ہے۔ بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ آجتک یہی طریقہ رائج رہا تھا۔ کہ اگر کوئی خلافِ عقل بات کہنی ہو۔ تو اُسے اشعار کے رنگ میں ڈھال لیا جائے۔ تا پڑھنے والا کہیں یہ نہ کہدے کہ کتنا بڑا جھوٹ۔ بلکہ لُطف اندوزی حاصل کرتے ہوئے یہی کہے کہ یہ شاعری کا کمال ہے۔ مگر ہمارے مصنّفِ رسالہ نے اپنی یہ بات اِس رسالہ میں تحریر کرتے ہوئے ہمیں اس بات پر مجبور کیا۔ کہ ہم اسے ایک غیر معقول اور نادرست امر قرار دیں نہ کہ حقیقت سے لبریز اور صداقت سے بھرا ہُوا قول۔ کیا مکرّم پادری صاحب اِس بات کا علم نہیں رکھتے۔ کہ ہم کسی ملک کے متعلّق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نیکی و تقویٰ میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ جبتک کہ ہم اُسکے اکثر حصص کو زہد و تعبّد میں نامور نہ پائیں۔ اور جب تک کہ ہم اُسکے اکثر باشندگان کو بُرائیوں سے بچنے والا اور نیکیوں کو ہر ممکن طریق سے حاصل کرنیوالا نہ دیکھیں۔ اور اسی طرح ہم کسی ملک کی خرابی کا اعلان یا اظہار نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ خود اہلِ مُلک خرابیوں اور بُرائیوں کی وجہ سے ہر بینائی رکھنے والے انسان کو نظر آنے نہ لگ جائیں۔ اب کیا یہ تعجّب کی بات نہیں۔ کہ پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب کی آبادی ہر قسم کے شرور و مفاسد اور مختلف اقسام کی بدیوں اور بُرائیوں میں مشغول ہو۔ مگر اُن بدیوں سے آنکھ بند کرتے ہوئے ہم اُن چار یا پانچ لوگوں کو دیکھیں۔ جو کچھ نہ کچھ عقل و ہوش رکھتے ہوں۔ اور جو کچھ نہ کچھ اپنی زندگی کے مقصد کے حصول کی جانب توجہ کرتے ہوں۔ اور پھر ہم جھٹ یہ کہہ اُٹھیں۔ کہ دیکھو جی سارا عرب نیک۔ اور سارا عرب پاک۔ سارا عرب زاہد اور عابد اور پارسا۔ کیونکہ ہم نے جسے دیکھا۔ اُسے نیک اور پاک پایا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں کہتا ہوں کہ تم نے دیکھے ہی صرف چار یا پانچ۔ مگر اُن پچاس لاکھ کو نہ دیکھا جن کا دیکھنا ضروری تھا۔ اور جن کو دیکھکر فیصلہ کرنا ایک لازمی امر تھا۔ کیا سکول کی جماعت میں ۳۲ لڑکے ہوں۔ اور اُن میں سے دو پاس ہو جائیں مگر ۳۰ فیل۔ اب کیا اُن کے متعلق کوئی شخص ایسا کہہ سکیگا۔ کہ یہ جماعت تو بڑی لائق اور ہوشیار ہے۔ کیونکہ جتنے لڑکوں کو میں جانتا تھا۔ وہ سارے کے سارے پاس ہو گئے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر کہے تو یقیناً وہ اپنی رائے میں ایک غلط راہ پر ہوگا۔ اور وہ درست نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ جبتک کہ وہ انہیں بھی نہ دیکھے جو کہ گروہ کا گروہ امتحان سالانہ میں اکثر فیل ہو گیا۔ پس یہ مت دیکھو کہ اہلِ عرب میں چار یا پانچ نیک و پاک تھے یا نہیں بلکہ یہ دیکھو کہ پچاس لاکھ کی آبادی میں سے آیا تیس لاکھ نیک و پارسا ہیں یا نہیں۔ اور اگر چار یا پانچ نیک و پاک نکل بھی آتے ہیں۔ تو بھی ہم اُسکے متعلق یہی کہینگے۔ کہ یہ ملک اب خراب ہو گیا۔ اور شیطان نے اپنا پورا تسلّط اور اپنا پورا قبضہ انپر جما لیا۔ اور جو بالفرض اُن میں سے تیس لاکھ نیک و پاک نظر آئیں اور بیس لاکھ اشرار۔ تو تب ہم کثرتِ تقویٰ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ کہینگے کہ یہ ملک نیکی اور پاکیزگی سے بہت حصہ رکھتا ہے۔ مگر چاہیئے کہ بقیہ لوگوں کو بھی اُن غلاظتوں سے نکالیں۔ جن میں وہ ایک بڑی عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں۔

پس پادری صاحب کو چاہیئے۔ کہ آیندہ وہ اِس قسم کے دلائل دینے سے پرہیز رکھیں۔ وگرنہ لوگ سمجھیں گے کہ جس شخص میں نیکی زیادہ ہو وہ مکرّم پادریصاحب کے نزدیک بُرا ہے۔ اور جس میں بدی زیادہ ہو وہ پادریصاحب کے نزدیک نیک اور پاک ہے۔ اور حالانکہ یہ دونو باتیں صریح غلط اور نادرست ہیں۔

سر ولیم میور کی شہادت

ہاں یہ بھی میں کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں اس بات کا صاف اقرار کرتے ہیں۔ کہ باوجود اُن مختلف مذاہب کے جو سرزمینِ عرب میں پائے جاتے تھے۔ اور باوجود دہریوں اور مجوسیوں۔ عیسائیوں اور یہودیوں پھر حنیفوں کے نظر آنے کے عرب کا عام مذہب بُت پرستی ہی تھا۔ اور بقیہ غیر مذاہب والے اُتنے بھی نہ تھے جیسے آٹے میں نمک۔ اور جو تھے بھی۔ وہ ایسی پژمردہ صورت و حالت میں تھے۔ کہ جن کے متعلق ہرگز یہ اُمید نہ کی جا سکتی تھی۔ کہ وہ اپنا کچھ بھی اثر اہلِ عرب پر ڈال سکتے ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور ملکِ عرب کے قدیم مذاہب پر اپنی طرف سے ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"محمد (صلعم) کی جوانی کے زمانہ میں عرب ایک بندھی لیک چلنے والے لوگ تھے۔ اور ملک کی حالت ہر قسم کے تغیّر و اصلاح کے سخت مخالف تھی۔ بلکہ اُسکی تمام تاریخ میں شاید اُس زمانہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سے بڑھکر کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا۔ کہ جب اُسکی اصلاح اسوقت سے زیادہ مشکل اور مایوس کُن ہو ×××× ×××× عیسائی مذہب کی پانچسو سال کی تبلیغی کوششوں کا یہی نتیجہ تھا۔ کہ ملک میں خال خال عیسائی نظر آتے تھے اور بس۔ یہودی مذہب زمانہ طاقتور تھا۔ لیکن ایک تبلیغی مذہب کے طور پر یہ بھی اب گویا بالکل رہ چکا تھا۔ لیکن بُت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے توہمانہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہُوا کعبہ کی دیواروں سے آٹکراتا تھا۔" (لائف آف محمدؐ صلعم)

یہ ہمارے حق میں شہادت اُس شخص کی ہے۔ جو کہ عیسائی دنیا میں ایک ممتاز مقام پر سمجھا جاتا ہے۔ اور جو کہ یوروپین مؤرخین میں نگاہِ قدر سے دیکھا جاتا ہے۔ قارئینِ کرام اِسے پڑھکر یہ بخوبی پتہ چلا سکتے ہیں۔ کہ کس طرح ہمارے مصنّفِ رسالہ کی تردید خود انہی کے ہمنوا اصحاب اپنی کُتب میں کر چکے ہیں۔ اور کس طرح یہ شہادت پھر اِس امر کو بھی واضح کر رہی ہے کہ باوجود حنفاء کی موجودگی کے پھر بھی اُن کا وجود اہلِ عرب کیلئے کچھ بھی مؤثر نہ تھا۔ اور اُنکا ہونا یا نہ ہونا اُن کے لئے ہر طرح مساوی اور برابر تھا۔ غرضیکہ حنفاء کی موجودگی سے ہم اہلِ عرب کے متعلق کوئی بھی فتویٰ صادر نہیں کر سکتے۔ اور مَیں اُمید کرتا ہوں بلکہ اگر اور نہیں تو مصنّفِ رسالہ اپنی قوم کے ایک ممتاز ممبر کی رائے کا احترام رکھتے ہوئے اپنے اعتراض کو واپس لیں گے۔ اور یا اسپر مزید غور فرمانے کے لئے اپنے اوقات میں سے کچھ حصّۂ وقت ضرور نکالینگے۔

صداقتِ نبوی کا کھلا ثبوت

پھر مَیں کہتا ہوں کہ حنفاء کا اہلِ عرب میں موجود ہونا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت و سچائی کا بہترین ثبوت اور آنحضورؐ کے دعویٰ رسالت کے لئے ایک عظیم القدر دلیل ہے۔ کیا آپ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ روحانی و جسمانی نظام میں اللہ تعالیٰ نے ایک مطابقت رکھی ہے۔ تا بہت سے وہ روحانی اسرار جن کے سمجھنے میں عوام کیلئے بہت ساری دِقّتیں ہوتی ہیں۔ وہ دنیاوی سلسلہ پر تفکّر و تدبّر کرنے سے بخوبی رفع اور دُور ہو سکیں۔ اور تا بہت سے وہ بھید جو روحانیت رکھنے والے انسان آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔ مگر عالمِ دنیاوی کے بسنے والے اُس حد تک پرواز نہیں کر سکتے اور ایسے لوگ جو کوچۂ روحانیت میں جانے کے لئے وہ آنکھیں نہ رکھتے ہوں۔ جن کی ضرورت ہو۔ اور وہ کان نہ رکھتے ہوں جنکی حاجت ہو اور وہ دل نہ رکھتے ہوں جن کا ہونا ضروری ہو۔ وہ اِس عالمِ جسمانی پر ہی نظر دوڑا کر اُن بھیدوں کے حل کرنے میں بہت سی آسانی حاصل کر لیں۔ جن کا حل کرنا اُنکو اس امر کا شوق دلادے کہ وہ بھی محبّتِ الٰہی کے اُس درد سے واقف ہوں۔ جس دردِ محبّت کا پہلے عشّاق میں حصّہ تھا۔ اور تا وہ بھی اُسی خدا کے ہو رہیں۔ جس خدا کی محبّت بھری گود میں اُن سے پہلے بہت سے صلحاء و اولیاء جا بیٹھے آپ لوگ غور کریں اور دیکھیں۔ کہ کیا اِس عالمِ جسمانی میں آپ ہمیشہ ہمیش اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ بارش کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کی ہوائیں چلاتا۔ بادلوں کو لاتا۔ اور بوندا بوندی برساتا ہے۔ اِن بادلوں کا آنا۔ اور ہواؤں کا چلنا پھر بوندا بوندی کا ہونا اس بات کی دلیلِ بیّن ہوتی ہے۔ کہ اب عنقریب ہی اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمتوں کی بارشیں اہلِ زمین پر برسانے والا ہے۔ اور جلد ہی زمین کو تازہ اور درختوں اور پودوں کو ثمر ور بنانے والا ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ یہاں تو ہوا چلتی دیکھ کر اور بادل آتے دیکھ کر یہ علم الیقین حاصل کر لیتے ہیں۔ کہ اب جلد ہی خدائی بارش برسنے والی ہے۔ مگر جب کوچۂ روحانیت میں ایسے ہی واقعات رُونما ہو جاتے ہیں۔ تو وہاں انہیں یقین کیا۔ خیال تک بھی نہیں آتا۔ کہ یہ بھی کچھ ہماری بہبودی اور ہماری ہی فلاح و ترقی کے لئے آسمانی ملائکہ سامان فرما رہے ہیں۔ دیکھو اور غور کرو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اور محض اپنے رحم و کرم سے۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ اور محض لوگوں کی بیداری کے لئے اِس عالمِ جسمانی کی مانند اُس عالمِ روحانی میں یہ واقعہ آشکارا فرمایا۔ کہ چند حُنفاء کو اہلِ عرب میں پیدا فرما دیا۔ ہاں اُن اہلِ عرب میں جن کی معاشِ زندگی ہی محض اُن کی پرستش و عبادت پر موقوف تھی۔ اُن حُنفاء نے خود اپنے نفوس سے بُت پرستی کو اُڑا دیا۔ اور صرف ایک خدا اور واحد خدا کی پرستش کا اعلان کر دیا۔ دیکھو کہ کیا تغیّر پیدا ہوا سارا عرب بُتوں پر گرا پڑا ہے۔ مگر چار یا پانچ ایسے لوگ ہیں۔ جو بُتوں کو الگ پھینکتے ہوئے خدائے واحد کے آستانہ پر آگرتے ہیں۔ آخر اِس کی وجہ کیا ہے۔ وجہ وہی جو عالمِ جسمانی میں ہم روز دیکھتے ہیں اور خوب دیکھتے ہیں۔ مگر عالمِ روحانی میں آکر ہم بھول جاتے اور لاپروا ہو کے رہ جاتے ہیں۔ یعنی یہی وجہ کہ اب اللہ تعالیٰ اہلِ عرب کو اِس ذریعہ سے یہ بتلانا چاہتا تھا۔ کہ تم بُتوں کو اب چھوڑ دو۔ اور اُن سے بیزار ہو جاؤ۔ کہ عنقریب ہی ہمارے فضلوں اور ہماری رحمتوں کا مجسّمہ ایک عظیم الشان اور افضل الرسل انسان محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہونے والا ہے۔ جو اسی ملکِ عرب میں آکر توحید کا جھنڈا گاڑنے والا اور تمام اصنام کا قلع و قمع کرنے والا ہے۔ یہ حُنفاء کا پیدا ہونا عین الٰہی مصلحت اور عین الٰہی منشاء کے تحت تھا۔ تا لوگ سوچتے اور غور کرتے۔ اور پھر اُس فضلِ ربّانی کے انتظار میں لگے رہتے جو عنقریب ہی خدا انکے ملک میں نازل فرمانے والا تھا۔ اور یہ حُنفاء ان ٹھنڈی ہواؤں سے مشابہت رکھتے تھے۔ جو کہ بارش کے برسانے سے پیشتر اللہ تعالیٰ دنیا پہ چلاتا۔ اور لوگوں کو ان کے ذریعہ سے انتہائی سرور اور خوشی سے بھر دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ عالمِ جسمانی میں تو لوگ آنکھیں اُٹھا اُٹھا کے آسمان کو دیکھتے اور بارش کی انتظار میں لگے رہتے ہیں۔ مگر عالمِ روحانی میں مصنّفِ رسالہ جیسے لوگ انہی ہواؤں اور بادلوں کو اصل چیز سمجھ کر انہی کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ اور اُس عظیم الشان فضل اور اس عظیم الشان رحمت سے روگردانی کا اظہار

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرتے ہیں۔ جو کہ اصل چیز اور اصل نعمت تھی۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں آئے۔ اور نہایت کامیابی وکامرانی سے اشاعتِ توحید کے فرضِ عظیم سے سبکدوش ہوئے۔ مگر آنحضورؐ کی آمدِ مبارک سے پہلے حنفاء کا آنا بھی آپ کے لئے بطور ایک خدمت اور بطور ایک جاروب کشی کے تھا۔ پس حنفاء کے ظاہر ہونیکے جلد ہی بعد خدا نے اپنے بہت بڑے فضل کو نازل فرما دیا۔ اور اس طرح یہ ثابت کر دکھایا کہ میرا اصلی فضل اور میری بڑی رحمت تو یہی رسول تھا جس سے قبل میں نے حنفاء کو بطور ہواؤں کے اور اس کے لئے بطور خادموں اور نوکروں کے پیدا کیا تھا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی اصل کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ وھوالذی یرسل الریاح بُشریً بین یدی رحمتہ (پ۸ سورہ اعراف) کہ وہی خدا عظیم الشان فضلوں اور بہت بڑی رحمتوں والا ہے۔ جو ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے نازل کرنے سے پیشتر ہواؤں کو چلاتا اور اس طرح دنیا کے ذہنوں کو اور ان کی عقلوں کو اُس بہت بڑی رحمت کی طرف متوجہ فرمانا چاہتا ہے۔ جو اُسکے بعد معاً ہی نازل ہونیوالی ہوتی ہے۔ ایک دوسری جگہ اسی کے ہم معنیٰ الفاظ میں فرمایا۔ وھوالذی ارسل الریاح بشریً بین یدی رحمتہ۔ وانزلنا من السماء ماءً طھورا (پ ۱۹ سورہ فرقان)

غرضکہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ کہ حنفاء کا پیدا ہونا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا ایک بہترین ثبوت ہے۔ کاش کہ لوگ اسے سوچتے اور اسپر غور اور تفکر کرتے۔ پھر دعا کرتے اور خدا سے ہدایت و رُشد طلب کرتے۔

عیب جوئی نہ کرو کہ تمھاری بھی عیب جوئی نہ کیجائے متیؔ ۷

ہاں یہ بھی میں تحریر کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مسیحی صاحبان صرف چار یا پانچ حنفاء کی موجودگی سے تمام اہلِ عرب کے متعلق یہ فیصلہ نافذ فرما سکتے ہیں کہ وہ تو بڑے نیک، پاک اور شریف و نجیب تھے۔ لہٰذا انہیں کسی رسول و نبی کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی۔ تو پھر میں کہتا ہوں۔ کہ سب سے پہلی زد یہ خود آپ معترضین پر ہی آپڑتی ہے۔ اور خود آپ ہی اپنے دام میں آپھنستے ہیں۔ اور اس طرح اپنی پیش کردہ بات کے خود آپ ہی جواب دہ ٹھہرتے ہیں۔ اور وہ اس لحاظ سے کہ ہم ان مسیحیوں سے پوچھتے ہیں کہ بھلا اُن حنفاء میں کونسی ایسی خوبی تھی۔ جس خوبی کو دیکھتے ہوئے آپ لوگوں کی ضمیر نے آپ کو مجبور کیا۔ کہ آپ بالضرور نہ صرف انہیں کو۔ بلکہ اُن کے تتبع میں سارے اہلِ عرب کو نیک اور پاک لکھ چھوڑیں۔ اور انہیں خدائی رسول اور اُس کے فرستادہ سے مستغنی کہدیں۔ یقیناً یہی کچھ جواب ملیگا کہ اُن میں دو اور صرف دو ایسی خوبیاں تھیں۔ جو اِن عیسائیوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچنے والی ہوئیں۔ اور انہیں اپنی طرف

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مائل کر لینے والی ثابت ہوئیں جن میں سے پہلی خوبی تو یہ تھی کہ وہ بتوں کو ترک کر بیٹھے تھے۔ اور بکلی طور پر اُن سے کنارہ کشی اختیار کر گئے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ توحید باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ اور خدائے ذو الجلال کو واحد تسلیم کرتے تھے۔ اِن دو خوبیوں کے علاوہ اُن میں کوئی بھی نمایاں اور ممتاز خوبی موجود نہ تھی۔ بلکہ علاوہ بریں چند نقائص ہی تھے۔ جو اُن کی نیکی کے اثر کو زائل کرنے والے اور اُنہیں ناموری کے مقام سے نیچے گرانے والے تھے۔ چنانچہ سب سے بڑا نقص اُن میں یہ تھا۔ کہ وہ تبلیغی نظام کی جانب سے بالکل غافل اور سوئے پڑے تھے۔ اور وہ ہرگز دوسرے لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش اور سعی نہ کرتے اور نہ ہی لوگوں کو یہ بتلایا کرتے کہ دیکھو۔ تم ایک غلط راستے پر جا رہے ہو۔ اُس سے ہٹ جاؤ۔ اور ہمارے پیچھے چلے آؤ۔ کہ منزلِ مقصود تک پہنچانے والا یہی صراطِ مستقیم ہے۔

اب اِس قدر معلوم ہونے کے بعد ہم اپنی توجہ اور نظر اُس زمانہ کی طرف پھیرنی چاہتے ہیں جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث فرما ہوئے اور لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تعالیم دینے لگے۔ اُس زمانہ میں حضرت موسیٰؑ کے متّبعین یعنی یہودی لوگ ہر جانب نظر آتے تھے۔ اور چاروں طرف اُنہی کا شور و غوغا بلند ہوتا سُنا جاتا تھا۔ پھر وہ یہودی توحید باری تعالیٰ کے بھی قائل اور مقر تھے۔ نہ صرف اُسی زمانہ میں بلکہ اب تک بھی۔ اور یہ اس لئے کہ خود بائیبل میں ایسا لکھا گیا۔ گو آجکل کے عیسائی لوگ بائیبل کو مقدّس کتاب مانتے ہوئے اُس میں لکھی گئی باتوں کی وہ تعظیم اور قدر نہیں کرتے جس تعظیم اور تکریم کی وہ مستحق ہیں۔ بلکہ اپنے آباء اور اجداد کی تقلید کا دم بھرتے ہوئے اقانیم ثلثہ کے فریفتہ ہوئے چلے جاتے ہیں۔ وہاں تو یہ لکھا ہے:۔

"میں ہی خداوند ہوں۔ اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں"۔ یسعیاہ ۴۵/۵

اور لکھا ہے:۔

"میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ میں خدا ہوں۔ اور مجھ سا کوئی نہیں"۔ یسعیاہ ۴۶/۱۰

پھر اُس زمانہ کے یہود نہ صرف توحید باری تعالیٰ ہی کے قائل نظر آتے ہیں۔ بلکہ تبلیغی نظام کی طرف بھی اپنی پوری توجہ مصروف کیئے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے اِس امر کا اقرار کیا اور فرمایا:۔

"تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دَورہ کرتے ہو۔ اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اُسے اپنے سے دُونا جہنّم کا فرزند بنا دیتے ہو"۔ متی ۲۳/۱۵

پھر اپنے متّبعین کو بھی حضرت مسیحؑ نے یہی کچھ کہا کہ:۔

"فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں۔ وہ سب کرو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور مانو۔ لیکن اُن کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ اور کرتے نہیں" متی ۲۳/۳

اِن ہر دو قسم کے حوالجات سے یہ کس طرح ظاہر و واضح ہو رہا ہے کہ اُسوقت کے یہودی لوگ نہ صرف توحید باری تعالیٰ کے ہی قائل تھے۔ بلکہ تبلیغ حق میں بھی کوشاں اور لگے رہتے تھے۔ مگر باوجود اِن دو عظیم الشان خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھنے کے پھر بھی وہ ایک ہادی کے محتاج ہوئے جو اُن کے پژمردہ قلوب میں وہ دردِ محبت پیدا کرتا۔ جس دردِ محبت کا پیدا ہونا ہر عبادت کی قبولیت کیلئے ایک لازمہ ہے۔ اور جسکے بغیر کوئی عبادت بھی درگاہِ ایزدی سے شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتی۔ ہاں وہ باوجود اِن دو عظیم الشان خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھنے کے پھر بھی اِسی قابل تھے کہ حضرت مسیحؑ انہیں اندھے اور ریاکار۔ سانپ اور سانپوں کے بچے کہیں۔ اُنہیں جہنّمی اور دوزخی کہیں۔ اُنہیں خدائی دروازہ سے راندہ ہوا گروہ پکاریں اور پھر کہیں کہ آؤ اور میری اتباع و پیروی کا دم بھرو۔ اور میرے پیچھے چل کے خدا کے پیار اور اُسکے وصال کا مزہ چکھو۔ ہاں وہ باوجود اِن دو عظیم الشان خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھنے کے پھر بھی اسی قابل رہے۔ کہ اُنہیں امراضِ روحانیہ میں گرفتار مریض سمجھا جائے۔ اور اُنہیں بیدین اور گمراہ خیال کیا جائے۔ اُن کے متعلق یہ اعلان کیا جائے۔ کہ اب نیکی و تقویٰ سے یہ لوگ تہیدست ہو چکے ہیں۔ اور پنجۂ شیطان میں بکلی طور پر گرفتار۔ ہاں باوجود اِن دو عظیم الشان خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھنے کے پھر بھی لوگ اس بات کا حق نہ رکھتے تھے۔ کہ اُن کی نظیر اور مثال پیش کرتے ہوئے یہ کہہ سکیں۔ کہ دیکھو جی زمانہ کتنا پاک اور لوگ کتنے متقی ہیں۔ پھر کیوں اُنکی ہدایت کیلئے ایک ہادی مبعوث ہوا۔ اور کس لئے اُنکی اصلاح کیلئے الٰہی رسول دنیا میں آیا۔ پس مَیں کہتا ہوں۔ کہ جب اُس زمانہ کے لوگ اس اعتراض کو پیش نہیں کر سکتے تھے۔ تو پھر کیوں ہمارے آقا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک پر ہی اعتراض کر دیا جاتا۔ اور علی الاعلان یہ کہا جاتا ہے کہ حنفاء جب توحید کے قائل تھے اور بتوں سے الگ۔ تو کیوں رسول آیا۔ مَیں کہتا ہوں کہ حُنفاء تو صرف توحید ہی کے قائل تھے اور بتوں سے الگ۔ اُن یہودیوں کو دیکھو۔ جو حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں موجود ہیں۔ اور نہ صرف توحید ہی کے قائل اور بتوں سے الگ ہیں۔ بلکہ تبلیغ حق میں بھی مصروف اور مشغول ہیں۔ اور حضرت مسیحؑ اِس خوبی کا اقرار کرتے اور اُسے مانتے ہیں۔ پس اگر رسولِ کریم صلعم کے زمانۂ مبارک پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ تو اس اعتراض سے بہت زیادہ وزنی ہمارا وہ اعتراض ہوگا۔ جو حضرت مسیحؑ کے زمانہ پر پڑیگا۔ جب ہم یہ کہینگے۔ کہ کس لئے جبکہ یہودی لوگ۔ جو چار یا پانچ کی تعداد میں نہ تھے۔ بلکہ ہزاروں ہزار تک کی تعداد میں موجود تھے۔ اور جو سارے کے سارے توحیدِ باریتعالےٰ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوا کہ مٹائی گئی تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ باوجود اُن تواریخی رسوم کے جو کہ اوپر بیان کی گئی ہیں کینٹ اور اسلام میں بہت سی باتوں میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

کینٹ اپنی کتاب "عملی اسباب پر تنقید" میں جرمن فلاسفی کو تھیوری سے اصلیت میں بدلتا ہوا ایک اہم تبدیلی کی بنیاد ڈالتا ہے۔ کینٹ زندگی کے عملی پہلو کو ذہنی خیالات سے سنوارنے کا ذکر کرتا ہے۔ خدا۔ آزادی اور ابدی حیات۔ اور یہی اسلام کا نظریہ ہے جو کہتا ہے کہ زندگی کے عملی پہلو کی اصلاح سب سے پہلے ہونی چاہئیے۔ مثلاً اسلام تھیوری اور عمل کے درمیان فرق اور بُعد کو جو کہ یورپ میں پایا جاتا ہے۔ اور جس سے کینٹ جوں جوں وہ بوڑھا ہوتا گیا اپنے دمِ واپسین تک بھی دہشت خوردہ رہا ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ کینٹ کے قانونی خیالات۔ خدا۔ آزادی اور ابدی حیات مرکزی خیالات ہیں۔ جو کہ اسلام کے مشابہ ہیں اور وہ اس اہمیت سے حلقۂ عمل میں آتے ہیں۔ کینٹ کے خیالات کا سب سے بڑا اصول اس طرح شروع ہوتا ہے۔ "اُس طرح کرو جس طرح تم دوسروں کو اپنی جگہ پر کرنے دوگے" اور اسلام کے اخلاقی اسباق انہیں خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ کینٹ کا اصول سوسائٹی کی بہتری اور خلق کی ہمدردی کے دوسروں سے اعلیٰ طریق کی بنیاد رکھتا ہے۔ خلق سے عام ہمدردی اسلامی نقطۂ زندگی کا اصل الاصول ہے۔ جو نیک عمل کو تمام دوسری نیکیوں سے اچھا سمجھتا ہے۔ اسلام پھر بنی نوع انسان کی محبت کو ایک اور طریق سے پیش کرتا ہے۔ یہ کہ وہ خدا کی جسکے ہم سب بچے ہیں وحدانیت سے مخرج ہے۔ اور اسجگہ اسلام فی نفسہٖ سپنوزا کی ادراک کے بالکل موافق ہے جس کا سب سے بڑا اصول خدا کی وحدانیت ہے۔ سپنوزا کا ہیولا کے متعلق خیال جو ہر ایک امر کی ضرورت کو محسوس کراتا ہے۔ خدا کی مرضی کے سامنے اس طرح سر بسجود ہوجاتا ہے جس طرح کہ اسلام کا دعویٰ ہے۔ اسلام کا صحیح علم سپنوزا کے علم کے بالکل مطابق ہے،

کینٹ آدمی کے لئے اخلاقی اعمال چاہتا ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ ایک واحد فرد کے اخلاق جماعت کی بہبودی پر اثر کرتے ہیں بلکہ وہ خود بھی فائدہ اُٹھاتا ہے۔ یعنی جب اس سے اعلیٰ اخلاق ظاہر ہوتے ہیں تو وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اسکو آدمی کہا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام اس خصوصیت کو بہت اہمیت دیتا ہے کہ ہم نیکی کریں۔ کیونکہ ہر ایک نیکی جو ہم کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہماری ذات کی تکمیل کرتی ہے۔ ساتھ ہی ہر ایک اچھا کام ہم پر اپنا اثر ڈالتا ہے اور عمل سے ہماری عادت ثانی بنجاتی ہے،

اسلام کی یہ تعلیم کہ ہم دوسروں کے ساتھ اپنی ذات کا بھی خیال رکھیں ملّی حالت کو انفرادی حالت سے ملادیتی ہے۔ اور اس سے نٹشے کی تعلیم پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جس کا اسلام کی طرح یہ خیال

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے قائل اور تبلیغ حق کے لئے بے چین تھے۔ ایسے صلحاء و نیک طینت جماعت کے نفوس کی اصلاح کے لئے کیوں حضرت مسیحؑ آئے۔ اور کیوں اُنہیں بیدین اور گمراہ کہ گئے۔ اور کیوں اُنہیں ریاکار اور اندھے۔ سانپ اور سانپوں کے بچے خطاب دیا۔ یقیناً اگر حُنفاء کو ہم نیک نفس کہ سکتے ہیں تو اُس سے بہت بڑھکر ہم اس زمانہ کے یہود کو نیک طینت کہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم حنفاء کی موجودگی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمدِ مبارک کیلئے بطور ایک روک اور مانع کے پیش کر سکتے ہیں۔ تو اس سے بہت زیادہ وہ روکاوٹ ماننی پڑیگی۔ جو حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں یہود کی کثیر التعداد جماعت کی طرف سے خود حضرت مسیحؑ کے لئے واقع ہو سکتی ہے۔ غرضکہ عیسائیو اور پادریو۔ ماھو جوابکم فھو جوابنا ؎

قوتِ باصرہ سے قوتِ سامعہ افضل ہے

جناب ڈاکٹر محمد شاہ نواز خانصاحب کی شخصیت میرے اس اظہار کے احتیاج سے بالاتر ہے کہ وہ معلومات جدیدہ اور انکشافات حدیثہ کے معیار پر احکام اسلام کی حقیت اور حقیقت کو حوالۂ قرطاس فرماکر مائدۂ علمی سے وقتاً فوقتاً ناظرین ریویو کی تواضع کرنیوالے فیاض طبع اور قابل قدر بزرگ ہیں۔ اور ایسے نوازنے والے بزرگوں کی قحط سالی کے ان ایام میں ہمارے تشکر قلبی کے حقیقی مستحق، وہ دیگر ماہرین علوم جدیدہ کی مانند خاموشی اور فارغ البالی کو ادائگی فرض اور واجبات کی تکمیل کا مترادف نہیں سمجھتے ناظرین ریویو کے لئے جولائی ۱۹۳۶ء کا پرچہ آپکی "قوتِ سامعہ کی اہمیت اور ضرورت پر فلسفیانہ نظر" کی تحقیق کیواسطے میرے نزدیک آئینہ کار ہو سکتا ہے۔ اس علمی تحقیق کو پڑھنے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپنے قوتِ سامعہ کی اولیت اور اولویت کے اثبات کیلئے کیسے بینات سے بحث کی ہے۔ اس فلسفیانہ مضمون کی زیر تحقیق نہ تو اس اختصاریہ سے میرا مدعا ہے اور نہ ہی میں اس بساط کا مالک ہوں میرا خالص مقصود بعض آیات قرآنیہ سے قوتِ سامعہ کی برتری اور اہمیت ثابت کرنیکی کوشش کرنا ہے تاکہ یہ حصہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس علمی مضمون کے ساتھ بطور ضمیمہ کام آئے ان چند سطور کے لکھنے کی مجھے اسی وقت سے خواہش رہی جب ڈاکٹر صاحب کا وہ مضمون نظر سے گذرا مگر توفیق خداوندی کی یاوری سے صرف آج ہی بہرہ اندوز ہو سکا ہوں۔

یہ سوال کہ وسعت عمل اور اہم نتائج کے اعتبار سے قوۃ سامعہ کو برتری نصیب ہے یا قوۃ باصرہ کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کوئی نیا سوال نہیں ہے۔ علماء سلف صدیوں پیشتر ہی اس موضوع پر طبع آزمائی کر چکے ہیں اور اس بحث میں ہم قوّت سامعہ کی فضیلت کی حمایت کیلئے ابن قتیبہ کے نام کو اور قوّت باصرہ کی اولویت کی رعایت کیلئے ابن الانباری کے نام کو دو متضاد عنوان تصوّر کر سکتے ہیں اور گو طرفین اپنے اپنے مدعا کے اثبات کیلئے دلائل ہی پیش کرتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ ابن الانباری اور انکے ہمنواؤں کے دلائل بحث علمی سے کہیں دور تر ہیں جانبین کے بینات کی نقل سے مضمون کو طول دینے سے کیا حاصل ہاں اسقدر عرض کر دیتا ہوں کہ ابن قتیبہ کے طرفداروں کے بیان میں جو حصہ مدلّل تھا وہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں نہایت احسن طور پر آ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قوّت سامعہ کی قیمت قوّت باصرہ کی قیمت سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن شنوا ہو کر اپنی زندگی کے ایک حصہ کو طے کرنیوالا سطحی نظر سے ان دونوں کی قیمت کے موازنہ کرنے میں غلطی کھا سکتا ہے کیونکہ جن امور سے وہ اکثر حالات میں متاثر ہوتا ہے وہ وہی ماحولی کیفیات ہیں جن سے متاثر ہونا بہت حد تک قوّت بینائی پر منحصر ہے۔ لیکن اگر اسکو یہ معلوم ہوتا کہ ان دونوں قوّتوں کی قدر و قیمت کے توازن کیلئے وہ جس عقل و تمیز سے مدد لے رہا ہے وہ اسی قوّت کی بدولت اسے حاصل ہوئی ہے جسے وہ کم قدر خیال کر رہا ہے تو شاید وہ اس غلطی کا ارتکاب کرتا کیونکہ پیدائش سے ہی اگر کوئی انسان قوّت سامعہ کی نعمت سے محروم ہو جائے تو اسکی زندگی بہت حد تک حیوانی زندگی سے مشابہ ہو جاتی ہے الّا ماشاء اللہ حالانکہ قوّت باصرہ کی نعمت سے محرومی کا یہ نتیجہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے تو سہی دس پیدائشی بہروں میں سے ایک بھی کامل انسانیت کا مالک اور مقصد زندگی کو پورا کرنے والا نہیں ہو سکتا لیکن دس پیدائشی اندھے ممکن ہے کہ وہ تمام کے تمام انسانیت کے مالک اور مقصد زندگی کو پورا کرنیوالے بنجائیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کان کو انسانیت اور روحانی زندگی سے وہی نسبت ہے جو آنکھ کو حیوانیت اور مادی زندگی سے ہے اور انسانیت کی تکمیل یا روحانیت کی تحصیل کیلئے علوم دینیہ کی جو ضرورت ہے، قوّت سامعہ کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے، اور علوم دنیویہ کی جو ضرورت ہے قوّۃ باصرہ کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ اسقدر گذارش کے بعد اب میں قوّت سامعہ کی فضیلت بتانے کے لئے قرآن مجید سے چند باتیں عرض کئے دیتا ہوں۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر قوّت سامعہ کو عقل و تمیز کا مترادف ٹھیرا کر ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ عقل و تمیز جسکی موجودگی کی وجہ سے انسان باقی حیوانات سے ممتاز و مشرّف ہو جاتا ہے اسکے حصول کا انحصار جسقدر قوّت سامعہ پر ہے اسقدر کسی اور حواس پر نہیں ہے اور یہ اسکی برتری کی قطعی دلیل ہے چنانچہ کفار کے عذاب جہنّم کو دیکھ کر چیخ و پکار کرنے کے بیان میں فرماتا ہے کہ وہ یوں چلّا اٹھینگے کہ لو کنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحاب السعیر "کاش کہ ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم یوں دوزخیوں میں نہ ہوتے" (ملک ع) دیکھئے یہاں عقل و شنوائی کو ہم پایہ قرار دیکر اسکی اہمیّت کس طرح واضح فرما دی ہے پھر ایک اور مقام پر فرماتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انّ فی ذٰلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید " بے شک اسمیں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو عقل رکھتا ہے یا جو یکسوئی کے ساتھ اپنی قوّت شنوائی کو کام میں لاتا ہے " (ق ع۳) یہاں پر بھی تحصیل ہدایت کا مدار عقل کو قرار دیا ہے یا قُوّت سامعہ کو جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قوّتِ سامعہ کی اہمیّت قُوّت باصرہ سے بہت زیادہ ہے اور انسان کو انسانیت سے آراستہ کرنیوالی حس حواس خمسہ میں سے یہی ہے، ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ومنھم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ومنھم من ینظر الیک افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون " اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تُو بہروں کو سُنا سکتا ہے گو وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں اور انمیں سے بعض ایسے ہیں جو تیری طرف نظر اُٹھاتے ہیں تو کیا تو اندھوں کو رستہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ بصیرت سے کام نہ لیتے ہوں " (یونس ع۵) اس آیت میں نعمت شنوائی سے محرومی کو عقل و خرد کی معدومی سے تعبیر فرما کر ان دونو کو ایک دوسرے کا لازم و ملزوم قرار دیا ہے لیکن بینائی کے فقدان عقل سے تعبیر نہیں کی جو اس بات کی شہادت ہے کہ بینائی کو عقل انسانی سے وہ نسبت نہیں جو شنوائی کو حاصل ہے اور یہی اسکی برتری کی دلیل ہے۔ علاوہ ابن قتیبہ نے قُوّت سامعہ کی افضلیت کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے اور انکے نزدیک یہی آیت انکے دعویٰ کے اثبات کیلئے محور الدلائل ہے۔

قرآن مجید نے ہدایت سے محرومیّت کے وجوہات میں دل پر مہر لگجانے کو جو شمار فرمایا تو اسی میں کان کو بھی شامل کر لیا تا اس امر کی دلیل ہو کہ دل و دماغ کی تکمیل میں کان کو کچھ ایسا دخل ہے کہ ایک پر مُہر لگ جانے سے لازماً دوسرے پر بھی اثر پڑجاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم و علیٰ ابصارھم غشاوۃ " انکے دلوں پر اور انکے کانوں پر اللہ نے مُہر لگادی اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے " (بقرہ ع۱) یہاں پر شک کیا جاسکتا تھا کہ مُہر کا تعلّق صرف دلوں کے ساتھ ہو اور کان آنکھوں کے ساتھ زیر پردہ ہوں اسلئے دوسری جگہ یوں فرمایا ختم علیٰ سمعہ وقلبہ وجعل علیٰ بصرہ غشاوۃ " مُہر کردی (اللہ نے) اسکے کان اور دل پر اور اسکی آنکھ پر پردہ ڈالدیا " (جاثیہ ع۳) اس آیت نے واضح کردیا کہ مُہر کے زیر اثر دل کے ساتھ اولاً کان ہی ہوتا ہے بلکہ قوّت سامعہ کا ناجائز استعمال ہی دل پر مُہر لگواتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں کان کو قلب سے بھی مقدم کیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر دماغ اور کان کے تعلّق کو اس آیت کے ذریعہ واضح فرمایا ہے یعنی نطبع علیٰ قلوبھم فھم لا یسمعون " اور ہم انکے دلوں پر مُہر لگا دیتے ہیں سو وہ نہیں سُنتے " (اعراف ع۱۳) گویا غور کے ساتھ نہ سننا ہی مقفل القلب ہونیکی علامت ہے میں نہیں سمجھتا کہ قُوّت سامعہ کی برتری کے ثبوت کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لئے اس سے بڑھکر کسی اور دلیل کی ضرورت ہے بے شک سورہ نحل میں طبع اللّٰہ علیٰ قلوبہم و سمعھم و ابصارھم فرماکر ابصار کو زیر مُہر بتایا ہے مگر اس سے اسکا قُوت سامعہ سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا ہاں اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علوم کے ذرائع میں قُوت سامعہ کے بعد قُوت باصرہ کا نمبر ہے اس وجہ سے سمع کو مقدم بنایا ہے اور اس سے کس کو انکار ہے کہ آنکھ تحصیل علوم کے لئے ایک نہایت قیمتی آلہ ہے۔

قرآن مجید سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہرا پن اور گونگا پن اور حیوانیت کے مابین جو نسبت ہے تو وہ تلازم کی ہے اسلئے جو شخص حیوان ناطق کہلا کر بھی استماع حقیقی سے بے بہرہ ہو جاتا ہے تو اسکا وہ بہرا پن اسکے شر الدواب ہونیکی دلیل ہوتی ہے کیونکہ قوائے انسانیت کے حصول کے باوجود اس نے حیوانیت کو اختیار کیا اور اس نعمت کی قدر نہ کی جو اسے انسان بناتی ہے اس سے اس امر کا پتہ لگا کہ آدمی کو انسان بنانیوالی پہلی چیز ہی قوت سامعہ ہے اگر کوئی ابتدا ہی میں اس نعمت سے محروم ہو جائے یا اسکی بے قدری کرے اور اس سے مستفید نہ ہو تو وہ انسان کہلانیکا حقیقی مستحق نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولاتکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لایسمعون ان شر الدواب عند اللّٰہ الصم البکم الذین لا یعقلون " ان لوگوں کی طرح مت بنو جنھوں نے کہا کہ ہم سُنتے ہیں اور حقیقۃً وہ نہیں سُنتے۔ تحقیق سب سے بُری مخلوق اللہ کے نزدیک بہرے اور گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے " (انفال ع۳) کس وضاحت سے بتایا ہے کہ حقیقی طور پر نہ سُننا گویا بہرا پن ہے جو گونگ کا ملزوم ہے اور جسکا نتیجہ حیوانیت اور نادانی ہے کیا اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ ہمیں انسان بننے کے لئے قُوت سامعہ کی ضرورت ہے لیکن قُوت باصرہ کی ایسی ضرورت نہیں اور پھر کیا یہ قُوت سامعہ کی برتری کی قطعی دلیل نہیں؟ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قُوت سامعہ کا فقدان انسان کو گویائی سے بھی محروم کر دیتا ہے گویا کہ گویائی موقوف ہے شنوائی پر حالانکہ بینائی کی معدومیت سے گویائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور یہ بات شنوائی کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں نہ سُننے والوں کو گونگے قرار دیا ہے!

قُوۃ سامعہ اور قُوت باصرہ کا عموماً قرآن اس ڈھنگ میں ذکر کیا کرتا ہے کہ اسے پڑھتے ہی ہم قوت سامعہ کی اہمیت کے قائل ہو جائیں یعنی جہاں تقدیم سے اہمیت کا اظہار مقصود ہو تو وہاں اسکو مقدم رکھ دیتا ہے اور جہاں تاخیر سے اہمیت کا اظہار کرنا ہو تو وہاں اسکو مؤخر بنا دیتا ہے تقدیم سے اہمیت کے اظہار کی مثال میں وہ آیات ہیں جو پہلی دو دلیلوں میں مندرج ہیں اور تاخیر سے اہمیت کے اظہار کی مثال میں یہ آیت دیکھئے الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم اٰذان یسمعون بھا " کیا انکے پاؤں ہیں جن کے ساتھ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وہ چل سکتے ہیں یا انکے ہاتھ ہیں جنکے ساتھ وہ پکڑ سکتے ہیں یا انکی آنکھیں ہیں جنکے ساتھ وہ دیکھ سکتے ہیں یا انکے کان ہیں جنکے ساتھ سُن سکتے ہیں" (اعراف ع۲۴) اس آیت میں جن چار اعضاء کا ذکر ہے ان کی ترتیب میں کیا یہ بات ملحوظ نہیں کہ ہر دوسرا عضو پہلے عضو سے اہم ثابت ہو پھر کیا اذان کو سب سے اخیر میں لاکر اس بات کا اظہار نہیں کر دیا کہ وہ ان چاروں میں سے اہم ہے یقیناً کیا ہے اور ایک سرسری نظر سے ہی اسکا پتہ لگ جاتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک اور جگہ یوں فرمایا مَثَلُ الفریقین کالاعمٰی والاصم والبصیر والسمیع ھل یستویان مثلا افلا تذکرون" ان دونو گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا اور بہرا اور دیکھنے والا اور سُننے والا کیا دونو یکساں ہیں۔ تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے" (ہود ع۲) اس آیت میں بصیر و سمیع کو اعمٰی و اصم سے موخر لاکر ان دونو صفات کی جس طرح برتری ظاہر کی ہے اسی طرح سمیع کو بصیر سے موخر لاکر اس کی برتری اور اہمیت ظاہر کی ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ اہم چیز کے فقدان سے نقصان بھی اہم ہی ہوتا ہے اس لئے اصم کو اعمٰی سے موخر رکھا اور بتایا کہ صمم سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس نقصان سے بہت زیادہ ہے جو بینائی کے فقدان سے پہنچتا ہے۔

قرآن مجید کے جس مقام میں بھی خدائے حکیم کی طرف صفت سمیع و بصیر کی نسبت یکجائی طور پر کیگئی ہے وہاں ہمیشہ سمیع کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اسکے خلاف بھی شائد کسی مقام میں ترتیب واقع ہوئی ہو لیکن مجھے کوئی ایسا مقام معلوم نہیں ہوا اور یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ سمع میں کوئی ایسی خوبی ہے جو بصر میں نہیں ہے اور جسکی وجہ سے اسکا مقام ارفع واقع ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے برحق کے سمیع و بصیر ہونیکو ہم اپنے سمیع و بصیر ہونے پر قیاس نہیں کر سکتے اور نہ ہم اسکے سمیع و بصیر ہونیکی کنہ تک پہنچ سکتے ہیں اسکے سمیع و بصیر ہونیکی حقیقت اجمالاً یہی ہوگی کہ وہ عالم الکل ہے اسکے سمیع و بصیر ہونیکو ہمارے سمیع و بصیر ہونیکے ساتھ اگر کوئی مشارکت ہے وہ صرف لفظی مشارکت ہے مگر باوجود اسکے وہ اپنی صفات کے بیان میں بصیر سے پہلے سمیع کو لاکر ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ جب مَیں نے تمھیں سمجھانیکے لئے اپنے آپکو سمیع و بصیر ٹھیرایا حالانکہ میرا اور تمھارے صفات میں محض لفظی مشارکت ہے تو مَیں بصیر ہونے سے پیشتر سمیع بھی ٹھیرتا ہوں تاکہ تم استدلال کر سکو کہ قوت سامعہ تمھارے لئے قوت باصرہ سے زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہے۔ خداوند کریم اپنے متعلق فرماتا ہے انّ اللّٰہ کان سمیعاً بصیراً "بیشک اللہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے" (نساء ع۸) انّہٗ ھو السمیع البصیر "تحقیق وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے" (اسراء ع۱) اسکے خلاف کہیں بھی انّ اللّٰہ کان بصیراً سمیعاً او انّہ ھو البصیر السمیع فرمایا ہوا مجھے قرآن مجید سے معلوم نہیں ہوا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب اگر کسی کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آدھ جگہ میں اسی ترکیب ہو بھی تو اس سے اس کثرت کی اہمیت کے استقلال میں جنبش نہیں آتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن سے بھی قوّت سامعہ کی اہمیّت اور برتری ہی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بدیہیات سے اسکی برتری کو اپنے مضمون میں پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے کہ قوّت سامعہ کی اہمیّت واضح ہوتی ہے لیکن صاحب کے مضمون کی تصدیق کیلئے قرآنی سند کے طور پر چونکہ اسی قدر بیان کافی معلوم ہوتا ہے لہذا مزید طوالت کے درپے ہو کر ریویو کے قیمتی صفحات کو پُر کرنا نہیں چاہتا۔

قرآن مجید کی کسی آیت میں اگر ہم کو بینائی کی اہمیّت کی تائید نظر آتی ہے تو وہاں بینائی سے آنکھ کی بینائی قطعاً مراد نہیں بلکہ دل کی بینائی مراد ہے اور دل کو بینا بنانے کے لئے سب سے زیادہ روشنی بہم پہنچانیوالا وسیع تر دروازہ قوّت سامعہ ہی ہے اور کوئی نہیں کہیگا کہ ومن کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا (اسراء ع۹) یعنی "جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا راہ سے" والی آیت میں اندھاپن سے مراد چشم ظاہری کی نابینائی ہے کیونکہ نہ تو سارے نابینے گمراہ ہوتے ہیں اور نہ ہی گمراہ لوگ قیامت کے دن اندھے ہوکر مبعوث کیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا (انعام ع۱۳) والی آیت میں بھی بینائی سے نہ ظاہری بینائی مراد ہے اور نہ نابینائی سے ظاہری نابینائی مراد بلکہ ہر دو بینائی اور نابینائی دل سے متعلّق ہیں اور دلی بینائی کی جس قدر اہمیّت ظاہر ہوگی اسی قدر اہمیّت قوّت سامعہ کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ دلی بینائی کا انشی فی صدی انحصار قوّت سامعہ کے صحیح استعمال پر ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید سے بھی قوّت سامعہ ہی کی اہمیّت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ دیگر بینات سے ڈاکٹر صاحب نے اسکو اہم ثابت کیا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ◆ الراقم عبد اللہ مالاباری

قرآن مجید مترجم

منشی فخر الدین صاحب مالک کتاب گھر قادیان نے یسرنا القرآن کی طرز پر قرآن مجید با ترجمہ شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ پہلا پارہ بطور نمونہ نکل چکا ہے۔ احباب امداد فرمائیں ◆

(۲) اُردو ریویو کے خریدار بہت کم ہیں۔ احباب توجہ نہیں فرماتے۔ اور اس طرح پر اخراجات بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ کاغذ پھر مجھے کھردار کر دینا پڑے گا۔ مینجر اُردو ریویو ◆

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مُسلمان کیونکر ترقی کرسکتے ہیں

قومی ترقی جب تک انفرادی ترقی نہ ہو نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک ہر فرد قوم اپنی ذاتی ذمّہ واریوں کا احساس کرکے انہیں پورا نہ کرے قوم نہیں بنتی۔ اور پھر قومی ذمّہ واریوں کی نگہداشت نہ ہو تو قومی ترقی نہیں ہوسکتی۔ پہلے انفرادی اور شخصی ذمّہ واریوں کا ذکر کرونگا۔ اوّل۔ سب سے پہلی چیز جس کی مسلمان کو ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ حقیقی معنوں میں مسلمان بنجائے۔ جب تک مسلمان مسلمان نہیں بنتا وہ قومی عمارت میں پختہ اینٹ کے طور پر نہیں لگ سکتا۔ اور اس مقصد کیلئے اسے قرآن کریم کو پڑھنا سمجھنا اور اسپر عمل کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس امر کی ضرورت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت دلوں میں پیدا ہو دوسری چیز جس کی شخصی طور پر ضرورت ہے۔ وہ دُعا اور خشیت ہے۔ تیسری بات جسکی ضرورت ہے۔ وہ اخلاق کی مضبوطی ہے۔

(ا) عام انسانی ہمدردی۔ عیسائیوں اور ہندوؤں میں ایسی جماعتیں ہیں۔ جو بلا لحاظ قوم ومذہب دوسروں کی ہمدردی کرتی ہیں۔ لیکن مسلمان اس سے غافل ہیں۔ اگر ہمدردیٔ انسانی کے کام کرنے کی عادت ہو تو قومی ضرورت کے وقت انسان ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے شرح صدر سے آمادہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اس کی عادت میں ہے۔ (ب) جس پر مسلمانوں کو شخصی طور پر عمل کرنا چاہیئے وہ مقابلہ کی خواہش اور آگے بڑھ جانے کا جوش ہے۔ (ج) صحت کی درستی۔ صحت کیونکر قائم رکھی جاسکتی ہے۔ اور خصوصاً بچّوں کی تربیت میں ان کی غذا کی نگہداشت کس طرح کرنی چاہیئے۔ اسپر توجہ کی ضرورت ہے۔ (د) صفائی کی ضرورت ہے۔ صفائی باطن پر اثر کرتی ہے۔ اور اس سے اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ (ھ) وقت کی پابندی۔ اس امر کی احتیاط نہ کرنے سے بہت نقصان ہُوا ہے۔ (و) ہر آدمی کام کرنے والا ہو۔ جو نکمّا ہے۔ وہ قوم کے لئے مصیبت ہے۔ اسوقت قوم میں تمدّنی جنگ جاری ہے۔ اگر ایک فرد قوم کا بھی نکمّا ہوگا تو وہ وبال ہو جائیگا۔

چوتھی ذمّہ واری یہ ہے کہ ہر کام کے لئے آدمی ہوں۔ یہی نہیں کہ ہر شخص کام کرے بلکہ یہ بھی کہ ہر کام کیلئے آدمی ہوں۔ **پانچویں** شخصی ذمّہ واری جسکی طرف سب سے کم توجہ ہے وہ خوف اور رجا ہے۔ **چھٹی** شخصی ذمّہ واری۔ نفس پر قابو ہے۔

قومی ذمّہ داریوں کی تصریح | رواداری۔ اختلاف رائے کو سن لینے کی قوّت پیدا کریں۔ دوسرا

قومی فرض اتحاد ہے۔ قومی ترقی کے لئے مشترک امور میں ایک ہو جاؤ۔ ملازمت کا سوال ہے۔
حضرت عیسیٰؑ کے مرجانے یا نہ مرجانے کی بحث سے اس کا تعلّق نہیں ایسے امور میں احمدی اور غیر احمدی
ایک ہو کر کام کریں۔ تیسرا فرض نظام ہے۔ نظام محض کسی کمیٹی کا بنا لینا نظام نہیں۔ نظام
جب تک نمائندگی کے اصول پر نہ ہوگا کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسوقت کمیٹیوں اور مجلسوں کی تعمیر
و ساخت کا جو اصول ہے کہ چند لوگ دولتمند یا تعلیم یافتہ ملکر ایک کمیٹی قائم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ نظام
ہے۔ وہ نظام نہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو لیڈر کہہ سکتے ہیں۔ نمائندہ نہیں۔ ملک کو لیڈروں کی نہیں
بلکہ پیروؤں کی ضرورت ہے۔ ان کمیٹیوں میں ہر قسم کے خیال کے مسلمان شریک ہوں۔ اور ان
میں مذہبی اختلافات کا ذکر نہ ہو۔ بلکہ مشترک امور کے لئے ملکر کام کریں۔ ان کمیٹیوں کا فرض ہو:-
(۱) کوئی مسلمان آوارہ نہ رہے۔ (۲) لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ (۳) پنچایت
قائم کریں۔ اور اپنے باہمی تنازعات کو اسکے ذریعہ سے طے کریں۔ تا کہ عدالتوں کے اخراجات اور
مقدمہ بازی سے نجات ہو۔ (۴) مسلمان آپسمیں لڑیں نہیں اور اگر دو لڑ پڑیں تو فوراً صلح کراؤ۔
اگر جلدی نہ کی جائے تو کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (۵) مقامی ضروریات کی نگرانی کریں۔ عام اسلامی
تحریکات پر غور کر کے جو مفید ہو اس میں شریک ہو جائیں اس ذریعہ سے آزاد رائے پیدا ہو گی۔
(۶) دوسرے مذاہب کے متعلق سمجھوتہ کریں۔ اختلافات آپسمیں طے کریں۔

اس قسم کی انجمنوں کا ایک ہی نام ہو۔ نام کے اشتراک سے بھی اتحاد کی روح پیدا ہوتی ہے۔ بہتر ہو
جمعیۃ الاخوان نام تجویز کیا جائے۔

چوتھا فرض قومی آزادی ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں دوسروں سے آزاد ہوں۔ اور اس طرح پر
اقتصادی علمی۔ حرفتی آزادی کے لئے جدوجہد کریں اور گورنمنٹ کی ملازمتوں میں بھی حصّہ لیں۔
اقتصادی حالت کی درستی کیلئے کفایت شعاری اور قرضہ نہ لینے کی تاکید ہے۔ مجبوری حالتوں میں
قرضہ فرد واحد سے نہ لیا جائے۔ بلکہ کواپریٹو سوسائٹیز سے لو۔

کفایت شعاری اور قرضہ نہ لینے کی ہدایت کے ساتھ ہر قسم کی تجارت میں ترقی کی جائے۔
جب ہم تجارت کی طرف توجہ کرتے ہیں تو دوسروں کا حق نہیں۔ کہ برا منائیں۔ اسی طرح چھوت
چھات میں ہندوؤں کو برا منانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہم سے کرتے ہیں۔ اگر ہم ان سے کریں
تو انکو ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔

آخری قومی ذمہ داری تبلیغ | کہ یہ مسلمانوں کا فرض ہے۔ تبلیغ میں دوسروں کے احساسات
اور جذبات کا خیال رکھا جائے۔ دوسروں کے بزرگوں کا احترام کرو۔ یہ تبلیغ نہیں کہ دوسروں پر حملہ کریں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہندو حملہ نہیں کرتے۔ مگر میرا خطاب مسلمانوں سے ہے۔ کہ وہ حملہ نہ کریں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

شذرات

(۱)

حضرت مسیحؑ اور دیگر انبیاءِ کرامؑ

معجزات و مصائب

حضرت مسیحؑ کو عیسائی اصحاب دو وجہت سے ممتاز کرکے پیش کیا کرتے ہیں۔ ان کے معجزات کو غیر معمولی قرار دیا جاتا ہے۔ یا ان کی مصیبت کا دردناک منظر پیش کرکے کفارہ کی تلقین کی جاتی ہے حقیقتاً اگر غور کیا جائے۔ تو انجیلی بیان کی رُو سے حضرت مسیح کو جملہ انبیاء سے کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ بلکہ ان کے معجزات و مصائب بعض جہات سے حضرت مسیحؑ کے معجزات و مصائب سے فوقیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ داؤدؑ۔ سموئیل اور دیگر نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے خود مقدس پولوس لکھتے ہیں:۔

"انہوں نے ایمان کے وسیلے بادشاہوں کو جیت لیا۔ راستی کے کام کئے۔ وعدوں کو پہنچے شیر ببر کے منہ بند کئے۔ آگ کی تیزی کو بجھایا۔ تلواروں کی دھاروں سے بچ نکلے۔ کمزوری میں زور آور ہوئے۔ لڑائی میں بہادر بنے۔ غیروں کی فوجوں کو ہٹا دیا۔ عورتوں نے اپنے مُردوں کو جی اُٹھے ہوئے پایا۔ بعض پیٹے گئے۔ اور چھٹکارا قبول نہ کیا۔ تاکہ افضل قیامت تک پہنچیں۔ بعضے ٹھٹھوں میں اُڑائے گئے۔ اور کوڑے کھائے۔ اور زنجیروں اور قید میں بھی پھنسے۔ سنگسار کئے گئے۔ آرے سے چیرے گئے۔ شکنجے میں کھینچے گئے۔ تلوار سے مارے گئے۔ بھیڑوں اور بکریوں کی کھال اوڑھے ہوئے تنگی میں مصیبت میں دُکھ میں مارے مارے پھرے۔" (عبرانیوں ۱۱: ۳۳-۳۷)

اب عیسائی صاحبان غور کرکے بتلاویں۔ کہ حضرت مسیحؑ میں باقی نبیوں کی نسبت کونسی امتیازی علامت پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے انکو خدا کا بیٹا یا کفارہ کے لئے مخصوص تسلیم کیا جاوے۔

(۲)

رحم اور عدل

کفارہ اور تناسخ کے قائل کہا کرتے ہیں۔ کہ خدا عادل ہے۔ اس لئے وہ کسی گنہگار کو بلا سزا نہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چھوڑ سکتا۔ اور نہ ہی کسی عامل کو اس کے عمل سے زیادہ بدلہ دے سکتا ہے۔ اسی بناء پر مسئلہ تناسخ اختراع کیا گیا۔ کفارہ والوں کی تھیوری اس سے ذرا زیادہ ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ بیشک عدل کا تقاضا سزا ہے۔ مگر انسان سزا برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ سزا خدا کے بیٹے کو دی گئی۔ جب ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے۔ کہ خدا رحم بھی تو کرتا ہے۔ وہ اگر رحم سے معاف کرے۔ اور کسی کو بھی سزا نہ دے۔ تو اس میں کونسی قباحت ہے۔ اس پر ہمیشہ کہا جاتا ہے کہ یہ عدل کے خلاف ہے۔ کفارہ کی ضرورت اسی بناء پر بتائی جاتی ہے۔ لہذا ہم ذیل میں انجیل کی آیت درج کرتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"جس نے رحم نہیں کیا۔ اس کا انصاف بے رحمی سے ہو گا۔ اور رحم عدالت پر غالب ہوتا ہے۔" (یعقوب ۲/۱۳)

ان الفاظ میں رحم کو عدل پر غالب قرار دیا گیا۔ پس رحم کو عدل کے خلاف قرار دینا غلطی ہے اور اس رکیک بنیاد پر کفارہ کی عمارت کھڑی کرنا محض وہم ہے ❖

(۳)

اعمال اور کفّارہ

کفارہ کا کوئی خارجی اثر دنیا میں نظر نہیں آتا۔ کفارہ کے قائل بھی برابر اسی طرح سے اس سزا میں دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ جو گناہ کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ تمہارے گناہوں کے عوض کفارہ ہو گئے۔ تو تم ان مصائب کا کیوں نشانہ بنے ہوئے ہو۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے۔ کہ کفارہ کا اثر بد اعمال پر پڑتا ہے۔ بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ صرف حضرت مسیح کی صلیبی موت پر ایمان لے آؤ۔ بس تمہاری نجات ہو جائیگی۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"اگر تو اپنے منہ سے خداوند یسوع کا اقرار کرے۔ اور اپنے دل سے ایمان لاوے کہ خدا نے اس کو مُردوں میں سے جلایا۔ تو تو نجات پاویگا۔" (رومیوں ۱۰/۹)

اور پھر کفارہ کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"مسیحؑ نوشتوں کے موجب ہمارے گناہوں کے واسطے مؤا۔" (اقرنتیوں ۱۵/۳)

"اسی میں ہم اس کے لہو کے وسیلے نجات یعنی گناہوں کی معافی پاتے ہیں" (کلسیوں ۱/۱۴)

اِن آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کفارہ پر ایمان کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے کہ ہم اپنے نفس کی اصلاح سے اعلیٰ ترقیات حاصل کر سکتے ہیں۔ جسکا انتہائی درجہ "کامل انسان" میں ظاہر ہوتا ہے۔ نٹشے "کامل انسان" کو اس دنیا میں رہنمائی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ لیکن اسلام نٹشے سے بھی ایک قدم آگے نکل گیا ہے۔ کیونکہ اسکی یہ تعلیم کہ اس عالم کی ترقی بعد الموت بھی جاری رہتی ہے۔ اسلام کا بہشت جیسا کہ یورپ نے غلطی سے سمجھ رکھا ہے اس دنیا کی لذتوں سے پرہیز کے بدلہ میں نفسانی خواہشوں کے پورا کرنیکی جگہ نہیں بلکہ وہ روح کے لئے زمینی حدود اور دنیوی غلاف سے باہر ہو کر ایک لامتناہی ترقیوں کا مقام ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق ہماری دنیوی زندگی آئندہ زندگی کی منزل کا پہلا قدم ہے۔ اس سے آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے خیالات پہلے لیسنگ نے جرمن فلاسفروں میں پیدا کیئے اور گوئٹے بھی یہی خیال کرتا ہے۔ جبکہ وہ اسی سالہ عمر کے بعد اور تمام دنیوی لوازمات سے برداشتہ ہو کر کہتا ہے کہ اے کاش! قسمت نے اسکے لئے اس زندگی کے بعد ترقی کا ایک وسیع میدان مقرر کیا ہو۔

اسلام باطنی تکمیل کی تین حالتیں تصوّر کرتا ہے۔ جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی۔ ✤ اسلام جسمانی حالت کو عیسائیت کی طرح حقیر نہیں سمجھتا۔ اسلام نٹشے کی طرح روح کی اصلاح نہ کہ اسکی تباہی ضروری خیال کرتا ہے۔ نفسانیّت اور بہیمیّت (جو کہ ہم میں ہے) کی تیجاعانہ اصلاح۔ یہ اسلامی پیغام کا مقصد ہے پھر روزہ قدیم عیسائیت کی طرح مختلف قسم کی تکالیف کے باعث جو کہ اس غرض کیلئے تجویز کیگئی ہیں جسمانی زندگی کو تباہ کرنیکا باعث نہیں ہونا چاہیئے عیسائی رہبانیّت کی خاصیّت زندگی کے مفاد کی قاتل ہے۔ برخلاف اسکے اسلامی رہبانیت (ضبط نفس) زندگی کے مفاد کی معاون ہے اسلام ضبط نفس کا دوسرا نام ہے۔ سپینوزا نے اسکے لئے "نفسانی خواہشات پر قابو" کی اصطلاح ایجاد کی۔ نفسانی خواہشات پر قابو پانے کے لئے زبردست اور پاک قوّت ارادی کی ضرورت ہے۔ اس قوّتِ ارادی کا اسلام ہر فرد بشر سے مطالبہ کرتا ہے۔ اور پاک قوّت ارادی کینٹ کے نقطۂ خیال سے دنیا میں اصل نیکی ہے۔ ہر ایک آدمی معلوم کر سکتا ہے کہ اسلام اور عمیق یوروپین فلاسفی میں ایک جگہ کامل اتحاد ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیکی اور بدی میں کس طرح تمیز ہو سکتی ہے؟ اور یہاں ہمیں اسلام میں دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ایک امتیاز نظر آتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے اصول یکطرفہ ہیں لیکن

✤ بحوالہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" مصنفہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انسان کے لیئے سزا کا خوف باقی نہیں رہتا۔ اگر بات اس حد تک ہو۔ تو گو یہ غیر معقول اور غلط عقیدہ ہے مگر تاہم کفارہ کا کوئی اثر ہے۔ لیکن اناجیل اس باب میں کفارہ کو بالکل لایعنی چیز بتا رہی ہیں۔ چنانچہ اعمال جن سے رہائی یا گناہ جس کے مواخذہ سے خلاصی کفارہ کا نتیجہ سمجھا جا سکتا تھا۔ ان کے متعلق انجیل میں حسب ذیل ارشاد ہے :۔

"اے میرے بھائیو! کہ اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں۔ پر عمل نہ کرے تو کیا فائدہ؟ کیا ایسا ایمان اسے بچا سکتا ہے؟ .... ایمان بے اعمال مُردہ ہے۔ کیا ہمارا باپ ابرہام اعمال سے راست باز نہیں ٹھہرایا گیا۔ جب اس نے اپنے بیٹے اسحٰق کو قربان گاہ پر چڑھایا۔ پس تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایمان نے اس کے اعمال کے ساتھ کام کیا۔ اور اعمال سے ایمان کامل ہوا" (یعقوب ۲/۱۴۔۲۲)

ان آیات میں صاف طور پر بتلایا گیا ہے۔ کہ بغیر اعمال ایمان مُردہ ہے۔ اور حضرت ابراہیم باوجودیکہ مسیحی کفارہ پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ کامل الایمان اور راست باز تھے۔ اب خود ہی دانشمند غور کریں کہ عیسائیت کے پیش کردہ کفارہ کا اناجیل کی رو سے کیا اثر ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کفارہ پر ایمان لانے والے اگر گناہ بھی کریں۔ تو ان سے مواخذہ نہ ہو گا۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ مقدس پولوس تحریر فرماتے ہیں :۔

"(عیسائی) اگر گر جاویں۔ تو انہیں پھر توبہ کرنے کو از سر نو کھڑا کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے بیٹے کو اپنے لیئے دوبارہ صلیب دیکر ذلیل کیا" (عبرانیوں ۶/۶)

"اگر بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کی ہے۔ جان بوجھ کے گناہ کیا کریں تو پھر گناہوں کے لیے کوئی قربانی نہیں" (عبرانیوں ۱۰/۲۶)

اب جائے غور ہے۔ کہ کفارہ کا خلاف عقل عقیدہ اگر تسلیم کیا جاوے تو کیوں؟ خارجی اثر اس کا کچھ نہیں۔ گناہ اس کے ذریعہ معاف نہیں ہو سکتے۔ بذاتہٖ اس خیال میں گناہ سے بچانے کی کوئی کشش نہیں۔ بلکہ وہمی طور پر سزا سے بے خوف ہو کر گناہوں پر گونہ جرأت ہو گی ؎

نومبر کا رسالہ وی پی ہو گا

تمام خریداران اردو ریویو کو اطلاع ہو۔ کہ جن صاحبان نے تا حال ۱۹۲۷ء کا چندہ سالانہ نہیں دیا۔ یا جن کی قیمت دوران سال میں ستمبر تک ختم ہو چکی ہے۔ ان کے نام نومبر کا رسالہ وی پی ہو گا۔ وصول فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔ - مینجر اردو ریویو ؎

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسلام کے میانہ۔ یہودیت تم سے محض انصاف چاہتی ہے۔ عیسائیت اپنے ہمسایہ کے لئے بخشش اور محبت لیکن اسلام کا یہ مقصد ہے کہ تم ہر موقع و محل پر افراط و تفریط کے درمیان جو کہ دو نو بدیاں ہیں راست میانہ روی اختیار کرو۔ لاطینی کا قدیم مقولہ کہ انصاف ہونا چاہیئے خواہ اسکے لئے دنیا جاتی رہے ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک انتہاء ہم کو تباہی میں لیجاتی ہے (گو ئیٹے)۔ یہ مقولہ ہم کو صاف طور پر بتاتا ہے کہ بعض اوقات انصاف بھی اگر اسکا استعمال بے سوچے سمجھے کیا جائے ظلم اور تشدد کا مترادف ہو سکتا ہے۔ برخلاف اسکے محبت اگر وہ اپنے اصلاحی پہلو سے عاری ہو ہمیں عدم استقلال کی طرف لیجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اطاعت اور فرمانبرداری کا قطعی فیصلہ دینے سے مجتنب ہے۔ اور چونکہ اسلام سب مذاہب سے زیادہ شعوری ہے۔ اس لئے وہ اپنے متبعین سے سب سے پہلے آزادانہ خیال کی امید رکھتا ہے۔ جسکی روسے مسلم کشمکش حیات کے درمیان ہر ایک معاملہ کے متعلق بذاتِ خود راست میانہ روی کا فیصلہ موقع کے مطابق کر سکتا ہے۔ اور یہی اسکے اپنے ذاتی فیصلہ کی استعداد ہے جو آدمی کو جسمانی حالت سے اخلاقی حالت تک پہنچاتی ہے۔ یہاں مجھ کو اُس مشرقی ذہانت کی کلید جسکا ذکر ہم زمانہ قدیم سے سنتے آئے ہیں ہاتھ لگ جاتی ہے یہ موقع کے دو نو پہلوؤں کی بُردبارانہ میزان۔ دو انتہائی نقطوں کے درمیان راست میانہ روی اور ایک پارٹی کا ممبر ہوتے ہوئے اسکی نفاقی روح سے بالا رہنے کی استعداد کا نام ہے۔ جہاں ہم کو ایسا طریق عمل اختیار کرنے کا موقع ملتا ہے تو اسکو ہم سائنٹیفک نکتہ سنجی کہہ دیتے ہیں اور یہ سائنٹیفک نکتہ سنجی ہر ایک مُسلم کی روزانہ زندگی کا عام اصول ہے۔ لیکن یوروپین فلاسفی دو انتہائی مرکزوں کے درمیان راست میانہ روی سے ناآشنا محض ہے۔ اسکے لئے ہم یونانی حکیم ارسطو کے ممنونِ احسان ہیں۔ جس نے اپنے خیالات عالیہ کی بنیاد اسی اصول پر رکھی ہے۔ تاہم یہ کبھی بھی یوروپین مذاہب میں داخل نہیں کی گئی۔ یعنی مشرق کی طرح زندگی کا عام اصول نہیں بنائی گئی۔

ہر ایک امر کے متعلق بُردبارانہ خیال کرنا (یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ خیال راست میانہ روی کی طرف رہنمائی کریگا) اسلام کی دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں عظیم الشان فتح ہے۔ نبوت تمام مذاہب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ ایک مسلمان کے نزدیک تمام مذاہب کے انبیاء مثلاً حضرت موسیٰ۔ عیسیٰ اور بدھ (علیہم السلام) خدا کے فرستادہ اور ہم مراتب ہیں۔ اور پھر یہ انہیں انبیاء کی تعلیم ہے جسکے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ وہ اسکی تکمیل نہ کہ تنسیخ کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس طرح ہم کو اسلام کی مذہبی مملکت میں تخالف امور کے یکجا جمع ہوجانے کا حقیقی علم ہوگیا ہے اس طریق سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسلام اس تواریخی "ترتیب" کی جسکی تشریح ہیگل کی تواریخی فلاسفی نے کی تھی غالباً سب سے عمدہ اور شاندار مثال پیش کرتا ہے۔

اب جبکہ کینٹ کی تعلیم موجودہ فلسفیانہ خیالات کی جان ہے۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہوگی اگر ہم اپنی خیالی رَو کو اس فلاسفر کی تعلیم کا نتیجہ سمجھیں کمزور ہستیوں کے مقابلہ میں کینٹ اخلاقی مطالبات میں اپنی عمر کے ساتھ ساتھ مُصر اور مستقل مزاج نظر آتا ہے۔ عالم ضعیفی میں بھی وہ شدید سیاسی مشکلات کے سامنے جمہوریت کو حکومت کا سب سے اعلیٰ اور منصفانہ طریق قرار دیتا ہے۔ اور اقوام میں دائمی امن کی بلند آہنگی سے اشاعت کرتا ہے۔ جرمن کا سب سے بڑا جمہوریت اور امن پسند فلاسفر کینٹ جرمن جنرل اعظم مولٹکے کے بالکل مخالف ہے جس کا یہ خیال تھا کہ دائمی امن ایک وہم اور گمان ہے۔ لیکن اسلام جسکی یہ تعلیم ہے کہ جمہوریت قابل ترین رہنماؤں کی شناخت کا وسیع معیار ہے۔ کینٹ کا طرفدار ہے "امن" وہ لفظ ہے جو کہ ایک نیک مسلمان کے روز کے محاورات میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے جیسے السلام علیکم (تم پر سلامتی۔ امن۔ ہو) ایک مسلمان کے روزانہ میل جول کا مقولہ ہے۔

یہ حقیقت کہ اسلام اور یورپ کے متعدد اصولوں میں کامل اتحاد ہے۔ دونو کو اس سچائی کے لئے جو کہ ان میں ہے اس امر کی امید دلاتی ہے کہ ہمارے مشرقی بھائیوں اور دوستوں کی وسیع شناخت کے ساتھ دنیا میں موجودہ متضاد قومیتوں اور شہریت جسکے متزلزل اصول ابھی تک اپنی قوم تک ہی محدود ہیں) کے بدلے ایک عالمگیر قومیت اور شہریت ہیئت پذیر ہوگی"

ڈاکٹر محمد رمضان سرگیو بندپور۔ ضلع گورداسپور

مختلف ٹریکٹ

- رسالہ الامھدی الا عیسیٰ ۴/
- چند کارآمد حوالے نمبر۱ ۰/
- " " نمبر۲ ۰/
- شیعہ سوراج ۱۰/
- آریہ سماج و گاندھی جی ۰/
- مسیح موعودؑ و اُمت محمدیہ ۱/
- اسلام کی اندرونی تصویر ۰/

- کفّارہ ۱/
- ابطلان مسئلہ قدامت روح ۰/
- ذبیحہ گائے اور ہندوؤں کے وید شاستر ۱/
- چھ ماہ کے پیر بخشی رسالوں کا جواب ۱۰/

- بانیٔ آریہ سماج کے اقوال میں تناقض ۰/
- تبرّا کا عدم جواز کتب شیعہ میں ۰/
- احمدی عقائد ۰/
- الدجّال ۴/
- براہین العقائد ۸/
- معارف القرآن ۸/
- مقصد مذہب ۳/

- سلسلہ احمدیہ و تصوف ۵/
- اہل بہا کی شریعت جدیدہ ۶/
- کمالات احمدیہ ۶/
- مباحثہ سرگودہ ۶/
- الاستخلاف ۴/
- التشریح الصحیح فی نزول المسیح ۶/
- آسمانی گولہ ۱/
- اسلامی قادر مطلق اور آریہ سروشکتیمان ۴/

Digitized by Khilafat Library Rabwah

الہام یا اکاش بانی

(گوجرانوالہ کے مقابلہ مذاہب میں)

(احمدی مضمون)

اسی طرح جب ہم عیسائیت کا مطالعہ کریں۔ تو اس مذہب میں ایسی ہی کئی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً پہلی مشکل یہ ہے۔ کہ خود بائیبل اپنی اصلی زبان میں محفوظ نہیں۔ اور نہ ہی وہ زبان اسوقت کسی خطے میں رائج ہے۔ کہ اسکی مدد سے ہمیں کسی قسم کی مدد کا سہارا ہو۔ دوسری مشکل یہ پیش آتی ہے۔ کہ بائیبل اور اناجیل کو ماننے والوں میں کئی فرقے موجود ہیں۔ اور ان میں خود بائیبل و اناجیل کے لحاظ سے بہت بڑا اختلاف ہے۔ مثلاً یہودیوں کی بائیبل اور تو عیسائیوں کی بائیبل اور پھر عیسائیوں میں سے پراٹسٹنٹ فرقہ کی اناجیل اور تو رومن کیتھولک فرقہ کی اناجیل اور ہیں۔ بلحاظ معتقدات کے ان سب میں عظیم الشان اختلاف ہے۔ یعنی وہ باتیں جو بالاتفاق عقلاً و نقلاً اصول مذاہب ہیں۔ اُن میں بھی کسی اصل پر ان لوگوں کا اتفاق نہیں ہے۔

تیسری مشکل عیسائی الہام کو تسلیم کرنے میں۔ پیش آتی ہے۔ کہ اصلی صورت کے نہ ہوتے ہوئے پھر بھی جو کتاب ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ آئے دن اس میں قطع و برید ہوتی رہتی ہے۔ یعنی کچھ آیات کو نکالا جاتا ہے۔ کسی کو زائد کیا جاتا ہے۔ اور کسی آیت کے الفاظ کو بدل کر ایسے الفاظ رکھ دیئے جاتے ہیں کہ دونو عبارتوں کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ اسوقت تک میری تحقیقات میں صرف اناجیل میں الحاق و تحریف کا نمونہ یہ ہے۔ کہ سترہ (۱۷) آیات ایسی ہیں جو سنہ ۱۹۰۰ء سے قبل کی کتابوں میں ملتی ہیں اور اب حال کی چھپی ہوئی کُتب میں انکا نام و نشان نہیں۔ اور چودہ پندرہ (۱۴، ۱۵) آیات ایسی ہیں جو اکثر پرانے قدیمی صحیفوں میں نہیں پائی جاتیں مگر اب وہ موجود ہیں۔ ایسا ہی کئی آیات ایسی ہیں جنکے الفاظ میں ایسی تبدیلی کی گئی ہے۔ کہ ان کے مفہوموں میں بڑا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور مطلب ہی اور ہو جاتا ہے۔ پس جب ایک محقق انسان کیلئے اناجیل کی کیفیت ظاہر ہوگی تو آپ ہی غور کریں کہ آیا اناجیل کے الہامی ہونے پر اس کا یقین کامل ہوگا۔ یا اس بات پر یقین ہوگا۔ کہ اناجیل ہرگز الہامی نہیں۔ بلکہ ان میں بہت کچھ انسانی دست تصرف کا دخل ہے۔ اور اُسے ہر عبارت کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوگا کہ آیا عبارت واقعی ایشوری گیان ہے یا انسانی کلام ہے کیونکہ جب ایک یا دو عبارتیں یا دس بارہ پچیس تیس آیات

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایسی ثابت ہو گئیں کہ وہ الہامی نہیں۔ بلکہ انسانی کلام ہیں اور بعد میں ملائی گئی ہیں۔ تو باقی آیات کے متعلق آج اُنیس سو برس بعد کیسے یقین ہو سکتا ہے۔ کہ وہ انسانی دست تصرّف سے بچی ہونگی۔ پس جب اُن آیات کو ہم خدا کا کلام ہی نہیں سمجھتے تو اُنپر غور کرنا اور ان کی خاطر جان و مال عزّت آبرو قربان کرنے اور اسی کو مدار نجات قرار دینے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے۔ یا وہ آیات خدا تعالیٰ تک کیسی پہنچائی گئی ہیں؟

چوتھی مشکل عیسائی الہام کو ماننے اور قبول کرنے میں پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ حواریوں کے بعد آجتک اُن میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہُوا۔ جو اُس مذہب کو مان کر ان قواعد پر عمل پیرا ہو کر خدا تعالیٰ اسی مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل کر چکا ہو۔ آجتک ایک شخص بھی ایسا نہیں ہُوا۔ جس نے اپنے مذہب کی سچائی کے لئے زندہ ثبوت پیش کیا ہو۔ کیونکہ عیسائی الہام میں معیار ایمان ایسا مقرر کیا گیا ہے۔ جو آجتک ایک شخص واحد پر بھی پورا نہیں ہوتا۔ اور ایک عیسائی بھی اس ایمان سے مومن ثابت نہیں ہوتا مثلاً لکھا ہے۔ کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو جو باتیں مَیں کرتا ہوں تم بھی کرو گے۔ یا لکھا ہے۔ اگر تم میں رائی کے دانے برابر ایمان ہوگا۔ تو پہاڑ سے کہو گے کہ اُکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ۔ تو ایسا ہو جاویگا۔ نیز معیار ایمان یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایمان لانیوالوں کے درمیان یہ معجزات ہونگے۔ کہ ”وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے نئی نئی زبانیں بولینگے۔ سانپوں کو اُٹھا لینگے۔ اگر کوئی ہلاک کرنیوالی چیز پیئیں گے انہیں کچھ ضرر نہ ہوگا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جاوینگے“ مرقس آخر

مگر جب ہم اس آیت کو پڑھتے ہیں اور اُدھر عیسائیوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آہ آجتک عیسائیوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اپنی کتاب کی رُو سے مومن کہلا سکے۔ اس نتیجہ پر پہنچنے سے نہ صرف ہمیں مایوسی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ عیسائیوں پر افسوس اور رحم بھی آتا ہے۔ کہ جس کتاب نے آج اُنیس سو سال میں کروڑوں انسانوں کو ایمان سے محروم رکھا۔ وہ آج ہمیں کس فائدہ سے بہرہ ور کر سکے گی۔ اور کس الہام کی خاطر ہم اپنی جان و مال عزّت و آبرو کو خیرباد کہکر عیسائیوں کی طرف آئیں۔ کیا ایسے الہام کی خاطر جو دنیا میں اپنے ماننے والے کو بھی مومن ثابت نہیں ہونے دیتا۔

پس اس تمام تر بیان سے واضح ہو گیا۔ کہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ سچّا ہے کہ آج دنیا میں کوئی پرانا مذہب ایسا نہیں رہا۔ جو اپنی اصلی حالت میں قائم ہو۔ یا جو لوگوں کے کیلئے اطمینان و تسلّی کا موجب ہو سکے اور روحانیت کے چشمے سے سیراب کر سکے ٭

ان الہامی کُتب کے بالمقابل جب ہم قرآن شریف کی تحقیق کرتے ہیں۔ تو ہر طرف تسلّی ہی تسلّی ہوتی ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور ہمارے قلب کو ایک ایسا اطمینان گھیر لیتا ہے کہ دن بدن ساعت بساعت قرآن شریف کا پریم اس کی محبت اسکی سچائی ہمارے دلوں میں بیٹھتی جاتی ہے کیونکہ باوجود مسلمانوں کے کثیر التعداد فرقوں میں منقسم ہونیکے پھر قرآن شریف پر سب کا ایمان ہے کہ یہ کتاب ویسی ہی موجود ہے جیسی پہلے اُتری تھی۔ اس کی زبان زندہ ہم ہر وقت اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور اسکی مدد سے قرآن کریم سے معارف و حقائق حاصل کر سکتے ہیں۔ اسکے منزل علیہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ باوجودیکہ سینکڑوں دفعہ عیسائیوں نے اسے چھپوایا۔ اور سینکڑوں ہندوؤں نے اسے شائع کیا۔ مگر حاشا و کلا ہرگز ہرگز اس میں فرق نہ ہُوا۔ اور نہ ہو سکیگا یہ ایک عظیم الشان خوبی ہے۔ اور بڑی خصوصیت ہے جو صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اسلام کی مذہبی کتاب الہامی پستک باوجود صدیاں گذر جانے کے پھر ویسی کی ویسی ہے کیوں نہ ہو۔ جامع و اکمل کتاب ہے۔ جسکی ضرورت ہر ملک میں ہر قوم میں ہر زمانے میں لوگوں کو رہتی ہے۔ رہیگی۔ اور ہر آن لوگوں کی رہنمائی کیلئے بھی ایک آسمانی قندیل ہے۔ باقی کتابیں اپنے اپنے زمانے میں تھیں جو گذر گیا۔ غور کرنے سے یہ عقدہ حل ہو گا اور خدا تعالیٰ کے جسمانی نظام میں اس کا ثبوت ملیگا۔ کہ جو چیز تمام انسانوں کیلئے یکساں مفید ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لئے یکساں فائدہ رساں ہے۔ اسکو خدا تعالیٰ نے اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ اور کسی انسان کی مجال نہیں۔ کہ ان چیزوں میں کوئی تغیّر کر سکے۔ مثلاً۔ سورج۔ چاند۔ ہُوا۔ پانی۔ پس روحانی سورج۔ دینی چاند سب لوگوں کیلئے یکساں ابر رحمت۔ تمام مذہبی آدمیوں کیلئے یکساں مدار زندگی صرف قرآن کریم ہے جسکو یہ فخر حاصل ہے۔ آج اگر کوئی آفت پیدا ہو۔ کوئی سیلاب آجاوے۔ جو کاغذوں کو کھا جاوے۔ بتاؤ کونسی کتاب ہے۔ جو باقی رہ سکے۔ کوئی نہیں۔ ہرگز کوئی نہیں بجز قرآن مجید اور فرقان حمید کے۔ کیونکہ دوسری کتابوں کی طرح قرآن پاک کاغذوں کا محتاج نہیں۔ پس حاصل کلام یہ کہ قرآن کریم۔ انجیل مقدس۔ وید مقدس میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم انسانی دست تصرّف سے پاک و محفوظ ہے۔ مگر اناجیل و وید وغیرہ کُتب اپنے ماننے والوں کی بے پروائی کا شکار ہیں۔ اصلی وجہ یہی ہے۔ کہ سورج کے وقت لمپ سے روشنی لینا صحیح نہیں۔ دیگر الہامی کُتب لمپ کا حکم رکھتی ہیں۔ وہ ایک زمانے اور ایک وقت کیلئے مخصوص تھیں۔ اب سورج نکل آیا اب اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اطمینان کا منبع یہی ہے۔

سوال نمبر ۲ کا جواب دینے سے قبل مَیں واضح کرنا چاہتا ہوں۔ کہ الہام کی بڑی بڑی قسمیں دو ہوتی ہیں۔ الہام خاص۔ الہام عام۔ الہام خاص سے میری مراد اسوقت الہام شریعت ہے جسکو ہم الہامی کتاب کہتے ہیں۔ مگر الہام عام سے مراد اسوقت وہ الہامات ہیں جو غیر شرعی نبی کو۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پندرہ روپے روزانہ کمالو

پانچسو روپیہ ماہوار یقیناً کمانا چاہو تو ہم سے بذریعہ تحریر گھر میں بیٹھے بٹھائے جدید طریقہ پر صابون بنانا سیکھ لو۔ فیس بجائے چونسٹھ روپیہ کے صرف پندرہ روپے بلکہ گلیسرین پیئرسوپ کے مانند ٹکیہ بنانے کا پیتل کا سانچہ مفت دیا جاتا ہے۔ مگر اس پر نام پھول پتی کندہ کرانیکی اُجرت تین روپیہ علیحدہ ہوگی۔ صابون کی تراکیب اور سانچہ کے ہمراہ اقرار نامہ بھی ہم روانہ کریں گے۔ جس پر لکھا ہوگا۔ کہ اگر ہم بذریعہ تحریر انگریزی دیسی تمام قسم کے مروجہ ۹۶ صابون بنانا نہ سکھا سکے یا ہمیں دوگنا منافع نہ ہوا۔ یا ایک دن میں تیس روپیہ کا مال طیار نہ ہو سکا یا ہمارے مرسلہ سانچہ میں ایک اونس سے ۴ اونس تک وزن کی ٹکیہ نہ بن سکی۔ تو ہم سے یہ صاحب پانچسو روپیہ ہرجانہ بذریعہ عدالت وصول کرنیکا حق رکھتے ہیں۔ تحریر لکھدی کہ سند ہے۔ اور وقت ضرورت کام آئے۔ اسٹامپ کی قیمت اگر آپ ادا کریں تو ایک روپیہ کے اسٹامپ پر مذکورہ اقرار نامہ لکھ کر دیا جاسکتا ہے۔ ناظرین پندرہ روپیہ کے واسطے تو شاید آپ عدالت کا دروازہ نہ کھٹکھٹائیں مگر پانچسو روپیہ کیواسطے تو ہر شخص عدالتمیں جاسکتا ہے۔ ہم آپکو یقین دلاتے ہیں۔ کہ آپکو ہرگز عدالت میں جانیکی ضرورت نہ ہوگی۔ اور آپکو ثابت ہو جائیگا کہ ہم سے بہتر کوئی صابون سازی نہیں سکھا سکتا۔ کیونکہ ہم صابون سازی کے ساتھ کپڑا دھونیکا واشنگ سوڈا۔ کرسٹل سوڈا، کلورین گیس، بلیچنگ پوڈر اور کاسٹک سوڈا بھی بنانا سکھاتے ہیں جب آپ ہم سے ۹۶ قسم کے صابون بنانے سیکھیں گے۔ تو اسکے ساتھ آپکو مذکورہ بالا اشیاء بنانے کی تراکیب بھی مفت ارسال ہونگی۔ ہم ایک روپیہ میں ۱۲ سیر ۸ سیر ۶ سیر ۴ سیر تک صابون بنانا سکھاتے ہیں۔ بغیر چربی کے بغیر سجی جوشنے کے بغیر کاسٹک سوڈے کے ٹھنڈے طریقہ سے گرم طریقہ سے غرضکہ تمام قسم کی مکمل صابون سازی آپکو سکھا دیجاویگی۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ پندرہ روپیہ فیس غرباء کے واسطے بہت ہے۔ مگر ہم اقرار نامہ دیتے ہیں۔ کہ آپ ایک ہی دن میں پندرہ روپیہ کما کر یہ معلوم کر لینگے۔ کہ ہم نے پندرہ روپیہ فیس برائے نام رکھی ہے۔ ہمارے پاس سینکڑوں ایسے سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ جنہوں نے قرض لیکر کام شروع کیا۔ اور آٹھ دن کے اندر اندر وہ فارغ البالی سے زندگی بسر کرنے لگ گئے۔ اسلئے ہمت کر کے صابون سازی سیکھ لیجئے۔ اس سے کم سرمایہ کا کوئی روزگار نہیں ہے۔ پانچ روپیہ پیشگی وصول ہوئے بغیر تعمیل نہیں ہوگی ؛

المشتہر: منیجر رسالہ دستکاری چاندنی چوک دہلی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خوفناک نتیجہ

موسم بدل گیا — نتیجہ کیا ہوگا

ہیضہ پھیلا ہے

ایسا آدمی شاید ہی کوئی ہوگا جو اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر یہ بیان کر سکے۔ کہ کلکتہ کے نامی ڈاکٹر ایس کے برمن کا بنایا ہوا سنہ میں سے ۹ کو بچانے والا مشہور اصلی عرق کافور کا نام نہیں جانتا ہو۔ اس نے وہ مسیحائی دکھلائی۔ کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ اس نے وہ کام کر دکھلایا۔ جو کوئی ڈاکٹر بھی نہ کر سکا۔ چالیس سالوں سے لاکھوں بار ثابت ہو چکا ہے۔ ہیضہ کے لئے اسکے مقابلہ کی دوسری دوا نہیں گھر میں یا سفر میں ساتھ رکھنے سے اکیلا عرق کافور کئی دواؤں کا کام دیتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۶/ محصولڈاک ایک سے ۴ شیشی تک ۶/

سردرد اور ریاحی درد کی دوا

یہ دوا سر کے درد کو چھومنتر کی طرح اُڑا کر روتے ہوئے آدمی کو ہنسا دیتی ہے، کیسا سر درد وریاحی درد کیوں نہ ہو۔ اس دوا کے کھاتے ہی آرام ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی سر اور آنکھوں پر برف کی سی تراوٹ آجاتی ہے۔ اس دوا کی ایک شیشی ہر وقت گھر میں رکھنا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی ۱۲۔ گولیوں کی ۱۲/ محصول ڈاک ۶/

نوٹ: خط لکھنے سے پیشتر اپنے یہاں کے دوافروشوں اور دوکانداروں سے دریافت کر لیں۔ اس میں ان کو محصولڈاک اور وقت کی کفایت ہو جائیگی۔

ڈاکٹر ایس کے برمن صبغہ نمبر ۷ اپوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

نوٹ۔ ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ درخواست آنے پر قواعد ایجنسی روانہ کی جاویگی۔